

ABSTRACTS

Urdu Poetry in Rohailkhand.

Afghan's and Arab settlers in the Roah region of central Afghanistan when forced to migrate southward, settled in the reign from Kabul to Multan, joining services of the local lords in their arrimes. War lords in the northern Indian region also sought their service to strengthen their armies, providing those Afghans opportunity to move south and settle in the Himalyan foothill region, KATHER that for resemblance to their distant homeland named by these settler as Rohailkhand.

Mullah Noori of Akber's period, hailing from Bijnor district is deemed the first Urdu poet of Rohailkhand. Similarly, a Masnavi "Luluaz Ghaib" written by Shavelal of Anola district, Rohailkhand in 1690, is another pioneering link to the Urdu poetry in the reign. Urdu poetry was given boost by Nawab Ali Muhammad Khan, founder of the Rohailkhand Government, who patronized Urdu poetry and literature. Other outstanding Urdu poets of Rohailkhand are Nawab Inayat Khan, Nawab Muhammad Yar Khan, Amir Quaim Chandpuri, Kabir Ali Sambahli, Parvana Ali Shah Muradabadi, Naimullah Khan Naiem, Ghulam Ali Ishrat Brailvi, Ishqui Muradabadi, Azimullah Qudrat, Nawab Abdul Aziz Khan Aziz and Nawab Muhabat Khan Muhabat. They Introduced new directions, style and themes in Urdu poetry and this progression reached Lukhnow.

ڈاکٹر فدا حسین انصاری

روہیل کھنڈ میں اُردو شاعری

(۱)

”روہ“ سے مراد کوہستانی علاقہ ہے، خاص طور پر موجودہ صوبہ سرحد کی ایک پٹی کا نام ”روہ“ تھا، ”روہ“ کا یہ علاقہ افغانستان میں موجود ایک وسیع کوہستانی سلسلہ ہے جس کے شمال میں کوہ کا شغر، جنوب میں بھکرا اور بلوچستان، مشرق میں کشمیر، مغرب میں دریائے ہلمند جو قندھار کے قریب بہتا ہے، موجود ہیں۔ یہاں پر بسنے والے باشندے فلسطین یا جزیرہ نمائے عرب سے نقل مکانی کر کے اس علاقے میں آباد ہوئے تھے۔ نواب مستجاب خاں رقم طراز ہیں:

روہ عبارت از کوہستان است کہ ابتدائی آن باعتبار طول از سواد باجور تا قصبہ سوئی از توابع بھکراست و عرض از حسن

ابدال تا کامل و قندھار در حدود ایں واقع است۔ ۳

حضرت طاہر افغان قوم کے جد اکبر و مورث اعلیٰ ہیں۔ آپ علاقہ مصر و فلسطین کے درمیان رہائش پذیر تھے لیکن ایران کے آتش پرست بادشاہ بخت نصر اور اس کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر غور، غزنی، پھر کوہستان روہ اور کوہ سلیمانی میں منتقل ہو گئے۔

۴۲ھ بمطابق ۶۳ء-۶۴ء میں عبدالرحمن بن سمرہ اور مہلب بن ابی صفرہ کی سرکردگی میں، اس کے بعد ۶۲ھ بمطابق ۸۲ء-۸۱ء میں مسلم بن ابی زید کی سرکردگی میں جب لشکر اسلام غور و غزنی، خراسان، سیستان، کابل، قندھار، کوہ سلیمان، پشاور اور ملتان پہنچا تو ان علاقوں کے باشندے جن میں افغان بھی شامل تھے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ جب یہ لوگ روہیل کھنڈ کے اس علاقے کٹھیر میں آکر آباد ہوئے تو ان کے اصل وطن روہ کی مناسبت سے یہ علاقہ روہیل کھنڈ کہلایا، کٹھیر کا ذکر رامن اور مہابھارت میں موجود ہے۔ کٹھیر یا نامی سورج بنسی راجپوتوں کی ایک شاخ قنوج سے نکالے جانے کے بعد ۱۰۰ء میں یہاں آکر آباد ہو گئی تھی۔ اس سرزمین کا نام اس لیے کٹھیر رکھا گیا تھا، جو علاقہ ”روہ“ سے نقل مکانی کرنے والے روہیلوں کی نسبت سے روہیل کھنڈ بن گیا۔ مؤلف ”اخبار الصنادید“ اور ”تاریخ بنگلہ“ کے مطابق:

”روہ ایک وسیع پہاڑ ہے، اس کی مشرقی حد جبال کشمیر اور اس کی مغربی حد دریائے ایلن ہے۔ یہ ان دونوں حدوں کے درمیان واقع ہے جس کی مسافت تقریباً ڈھائی ماہ سے زیادہ ہے۔ اس کی شمالی حد کوہ کا شغر، جنوبی حد بلوچستان، کوہ سلیمان، قندھار، پشاور، خیبر باجوڑ، حسن ابدال ہے ان ہی علاقوں میں بسنے والے روہیلے کہلائے اس ملک کی زبان ہندی اور فارسی کے درمیان ہے۔“

بعضوں کا بیان ہے کہ روہیلے پٹھانوں کی ایک نسل ہے جو بلوچوں سے نکلی ہے۔ اس لفظ کا ترجمہ اس ملک میں ”پہاڑی آدمی“ ہوتا ہے۔ یہ روہیلے اپنی قوی الجشہ جسامت کی وجہ سے سلطان محمود غزنوی کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ سلطان نے باقاعدہ طور پر انھیں فوج میں بھرتی کیا، ان کی بہادری اور فرمانبرداری کو سراہتے ہوئے انھیں ”بتان“، یعنی جہاز کا پشتی بان قرار دیا۔ روہیلے، محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان کے بڑے بڑے معرکوں میں شریک ہوئے۔

سالار مسعود غازی نے عرف بالے میاں ۱۰۲۸ء میں روہیل کھنڈ کے علاقے پر حملہ آور ہوا اور اودھ کے موجودہ شہر بڑانچ تک پہنچ گیا۔ کشت و خون کے بعد بڑی تعداد میں مسلمان شہید ہوئے لہذا اس علاقے کا نام ”گنج شہیدان“ پڑ گیا۔ ان میں علما اور بزرگان دین کی ایک بڑی تعداد شامل تھی جب کہ ”روہ“ سے آنے والے روہیلوں کو اہل اللہ سے خاص عقیدت حاصل تھی اس لیے انھوں نے اس علاقے کو اپنا مسکن بنایا دوم یہ کہ یہ علاقہ ظاہری طور پر پرکشش تھا۔

کٹھیر میں علی محمد خاں سے قبل روہیلوں کا وجود پایا جاتا ہے۔ ۸۵۵ھ بمطابق ۱۴۵۱ء بہلول لودھی نے سلطنت کی توسیع کے لیے افغانوں کو طلب کیا، ہندوستان کے ہر شہر میں افغان جمع ہو گئے۔ بہلول لودھی اور شیر شاہ سوری کے زمانے میں ہندوستان میں افغانیوں کی آبادی بڑھتی رہی۔ وہ کٹھیر میں دامن کوہ کے زمینداروں کی نوکریاں کرتے اور ان کے ساتھ خانہ جنگیوں میں شریک ہوتے تھے، رفتہ رفتہ یہ افغانوں کے جرگے آنولہ، نجیب آباد، منو، بریلی، پبلی، بھیت اور شا جہاں پور میں جمع ہو گئے۔

خاندان تغلق کے عہد میں یہاں کے جفاکش افراد کثرت سے فوج میں بھرتی ہوئے اور بنگالے تک پھیل گئے۔ لودھی، سوری، سروانی کا تعلق ان ہی قبائل سے تھا جو گھوڑوں کی زین سے، مسند امارت اور تخت شاہی تک پہنچے۔ مغلوں کے دور میں اول تازہ ولایت اور مغل ازبک سواروں کا تانتا بندھا رہا۔ شا جہانی اور بدخشان مہمات کے بعد یہ سلسلہ کم ہوا تو ہندوستان کے سادات اور صوبہ کابل کے سپاہیوں کی طلب بڑھ گئی۔ عالمگیر نے بنگلہ اور روہیلے شاہی فوج میں بھرتی کیے، ان قبیلوں نے جانبازی کے صلے میں

دو آ بے کے نزدیک جاگیریں پائیں۔

۷۰ء میں داؤد خان نے اس علاقے میں آکر بودوباش اختیار کی، داؤد خان شاہ عالم خاں کا غلام تھا، جو حافظ رحمت خاں کے والد اور نواب محبت خاں کے دادا تھے۔ داؤد خان ترکہ پدري میں شاہ عالم کو بطور غلام ملا تھا۔ اس وقت ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں تھی لہذا شاہ عالم نے اسے اپنی اولاد کی طرح پرورش کیا اور زراعت کا جملہ کام اس کے سپرد کر دیا تھا، جب داؤد خان نے جوان ہو کر علاقہ روہیل کھنڈ میں اپنے ہم وطنوں کے کارنامے سنے تو اس نے ”روہ“ سے اس علاقے میں جانے کا ارادہ کیا تا کہ وہ بھی دوسرے روہیلوں کی طرح دولت کمائے۔ ایک روز وہ شاہ عالم خاں کی مرضی کے خلاف راہ فرار اختیار کر کے بہادر شاہ ابن اورنگ زیب کے عہد میں کشمیر میں وارد ہوا۔ ۱۲۱۲ء آلولہ کا علاقہ اسی روہیلہ دور میں ابھر کر سامنے آیا لیکن اس سے قبل بھی آنولہ کوشمالی ہند کی تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل رہا ہے۔ آنولہ سے سات میل کے فاصلے پر آنولہ شاہ آباد روڈ پر رام نگر گاؤں سے متصلہ علاقوں میں آج بھی کھنڈرات موجود ہیں۔

قدیم زمانہ ویدک سے مہاراجہ ہرش کے دور میں یہاں ایک عالی شان شہر بسا ہوا تھا، جو ہزاروں سال تک اس علاقے کا دارالخلافہ رہا۔ ۱۳۱۱ء یہ تمام علاقہ ”پانچال چنڈ“ کہلاتا تھا۔ ویدک ادب میں اس پانچال اور یہاں کے مختلف راجاؤں کا ذکر ملتا ہے۔ ان دونوں علاقوں پر کبھی علاحدہ علاحدہ راجاؤں کا دور دورہ رہا اور کبھی ایک ہی راجہ کے ہاتھ میں عنان حکومت رہی۔ اس علاقے کوشمالی پانچال بھی کہا جاتا رہا ہے۔ ۱۴۱۱ء

داؤد خاں جب کٹھیر میں آکر سکونت پذیر ہوا اور بعد میں **نواب علی محمد خاں نے یہ علاقہ فتح کیا تو یہ علاقہ روہیل کھنڈ کہلایا۔** حیاتِ حافظ رحمت خاں کے مطابق راجہ ہر نندن کی لڑائی کے بعد سے روہیلوں کے تمام مقبوضات کا مجموعی نام کٹھیر کی بجائے روہیل کھنڈ ہوا۔ بقول مصنف قصہ احوال روہیلہا زمیر رستم علی بجنوری، ۱۱۹۵ھ میں روہیل کھنڈ ”شاہ جہاں پور سے تمام تلہٹی پہاڑ کی سے تو ہر دوار کنارے دریا و گنگ تیش“، ”روہیل کھنڈ کے حد و حد میں بجنور، مراد آباد، بریلی، بدایوں، شاہجہاں پور کے علاقے آتے ہیں۔“ ڈبلیو فرینکلن کے مطابق:

”روہیل کھنڈ کا یہ علاقہ دریائے گنگا کی جانب مشرق ۲۸ درجے اور ۳۰ ویں درجے عرض البلد شمال کے درمیان ۷۶ سے ۸۰ طول البلد تک پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑوں کی ترائی میں واقع نواحی علاقوں سے جو کمایوں سے لال ڈانگ ہوتا ہوا شہر چلی بھیت تک چلا گیا ہے، شمال اور مغرب میں دریائے گنگا اس کی حد بندی کرتا ہے۔ اس علاقے کی مٹی زرخیز ہے، رنگ سیاہ مائل ہے بہت سے مقامات پر ریت اور سرخ رنگ کی بالو کی آمیزش ہے۔“ ۱۹

”یہاں پر ہر قسم کا تمباکو اور گنا کاشت کیا جاتا ہے۔ اس علاقے میں متعدد چھوٹی ندیوں کے علاوہ کئی بڑے دریا بھی بہتے ہیں۔ رام نگا ندی شمالی مشرقی پہاڑی سلسلے سے نکل کر کوئی گھاٹ کے مقام پر ہندوستان کے علاقے میں داخل ہوتی ہے یہی ندی روہیل کھنڈ کے وسیع علاقے کو سیراب کرتی زمین کو زرخیز بناتی، اپنی راہ میں آنے والے دوسرے دریاؤں کو ضم کرتی بالآخر قنوج کے قریب گنگا میں مل جاتی ہے۔ دریائے گنگا سال میں سات ماہ جہاز رانی کے قابل رہتا ہے اس کی دھار چوڑی اور تیز ہے اس کے کنارے پر بڑے بڑے گاؤں آباد ہیں، مشرقی سمت میں دوبا جو اسی

پہاڑی سے نکلتی ہے اور پہلی بھیت کی آبادی کے قریب سے بہتی ہوئی شا جہاں پور میں دیو گمرانام کی ندی میں مل جاتی ہے اور اسی کا نام اختیار کر لیتی ہے۔ اسی کے نواح سے جو کمایوں کی پہاڑی ترائی میں ہیں، فری لکڑی اور سال وغیرہ حاصل کیے جاتے ہیں۔ یہ سندی پیروں اور دیگر مقامات کو سیراب کرنے کے بعد رام گنگا میں اس مقام پر گر جاتی ہے جہاں گنگا سے اس کا اتصال ہوتا ہے۔ اس علاقے کی چھوٹی ندیاں، کوسیلا، ناہول، بیگل، دکرا، بکرا، بیسرا اور یارو فادار وہیل کھنڈ کی زراعت کو ترقی دینے میں معاونت کرتی ہیں۔ بندوں نالوں اور کاریزوں کے ذریعے پانی کی تقسیم ہوتی ہے۔“ ۱۶

اس علاقے کی زمین کی ایک خوبی یہ ہے کہ ملک کے کسی بھی حصے میں سطح زمین سے چند فٹ کھودنے پر پانی وافر مقدار میں دست یاب ہو جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہیل کھنڈ کے علاقے کی ہر دور میں اہمیت رہی ہے۔ سلطنت کے ابتدائی ایام میں تجارت کو یہاں خوب فروغ حاصل ہوا۔ بڑے بڑے شہروں مثلاً شاہ آباد، شا جہاں پور، بریلی، بسولی، بدایوں، آنولہ، مراد آباد اور سنبھل سے زمانہ سابق میں شمال کے کاروانوں سے مسلسل تجارتی تعلق قائم رہا۔ ان کاروانوں کے سبب لاہور، کابل، کشمیر، قندھار اور فارس کی پیداواریں مثلاً لعل، قیمتی پتھر، تانبہ، لوہا، مٹن، سیسہ، ادویات، کشمیری شالیں، کرمان کی اون، خچر، گھوڑے اور اونٹ کٹھیر کے علاقے میں درآمد ہوتے تھے، ان کے بدلے میں وہاں کپڑا، غلہ اور تمباکو بیچا جاتا تھا۔

جب تک ہندوستان میں پٹھانوں کی سلطنت رہی آنولہ، بسولی، پہلی بھیت، روہیلہ سرداروں کے مستقر رہے۔ قصبہ آنولہ جو روہیل کھنڈ کے بہترین حصے اور مرکز میں واقع ہے، ایسی نمایاں جگہ پر بسا ہوا ہے کہ وہاں سے نواحی علاقہ کا پورا منظر دکھائی دیتا ہے۔ نواب ندی نام کا چشمہ شہر کے جنوب مغربی سمت سے آکر بہتا ہے۔ آنولہ کی آبادی بھی خاصی تھی، اس میں متعدد خوب صورت عمارتیں تھیں جن میں بیشتر کھنڈ ربن گئیں۔ ڈبلیو فرینکلن ”تاریخ شاہ عالم“ میں رقم طراز ہیں:

”پھر بھی ابھی تک بہت سی اشیاء باقی ہیں جن کو دیکھ کر اس جگہ کی عظمت رفتہ کا پتہ لگایا جاسکتا ہے ان ہی کے پیش نظر اس جاں ستاں کی تاریخی پر نوحہ کرنا پڑتا ہے جو سراسر تخریبی جذبے کا نتیجہ تھی۔“ ۱۷

آنولہ میں نمایاں مقام بلند ترین حصے میں اینٹوں سے بنا ہوا قلعہ ہے یہ قلعہ کٹھیر کی روہیلہ حکومت کے بانی نواب علی محمد خاں نے تعمیر کرایا تھا۔ یہیں ان کا دربار لگتا تھا۔ قلعہ کے اندر ہی علی محمد خاں کا محل، ایک خانقاہ اور کئی دوسری عمارتیں تھیں، یہ علاقہ قدرتی طور پر حسین ہے۔ آنولہ، بریلی سے بجانب شمال مغرب سولہ (۱۶) میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ۱۸ بسولی سے اس کا فاصلہ ۱۲ میل ہے، دہلی اور پہلی بھیت سے اس کا فاصلہ مساوی ہے۔ بسولی بھی روہیلہ حکومت کی دیرینہ عظمت و شان کے واضح نشانات رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ مقام نواب علی محمد خاں کے خاندان کے بہت سے افراد کا مدفن ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ اسی طرح شہر بریلی بھی ایک تاریخی باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۹

عہد سلطنت ہمایوں میں مسملی جگت دیوٹھا کر قوم برہل موضع جگت پور، جو شہر کہنہ بریلی سے متصل ہے، سکونت رکھتا تھا اور اکثر جگت پور سے ملحقہ دیہات میں داخل ہو کر ان سے محاصل وصول کرتا تھا وہ اپنی قوم کا سردار بھی بن گیا۔ اس کے دونوں بیٹے، باسدیو، ناگدیو اپنے باپ کی زندگی میں ہی کاروبار میں ہوشیار ہو گئے تھے۔ جگت دیو کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا باسدیو اپنے باپ کا جانشین ہوا اور ہمایوں شاہ سے منحرف ہو کر خود مختار رئیس بن گیا، ۱۵۳۷ء میں شہر ”کہنہ آباد“ کر کے ”باس بریلی“ نام رکھا، کثرت استعمال سے

بائس بریلی نام مشہور ہوا، باسدیو ایک مضبوط قلعہ بنا کر رہنے لگا۔ بریلی کٹھیر (روہیل کھنڈ کا پایہ تخت رہا) کا حصہ ہے۔ ۲۰۔
روہیل کھنڈ کی تاریخی، سیاسی، جغرافیائی پس منظر کو اجاگر کرنے کے بعد اب ہم روہیل کھنڈ میں اردو شاعری کے آغاز اور ارتقا کی جانب آتے ہیں۔

(۲)

روہیل کھنڈ میں اردو شاعری کا ذکر آتا ہے تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس بارے میں کوئی بھرپور تحقیقی کام نہیں ہوا، البتہ محمد شاہی دور سے بہت پہلے دہلی اور نواح دہلی میں اردو شاعری کو جو فروغ ہوا اس سلسلے میں روہیل کھنڈ کا پہلا اردو شاعر عہدا کبری کے ملا نوری کو قرار دیا جاسکتا ہے جس کا تعلق اعظم پور (قصبہ متصل چاند پور ضلع بجنور) سے تھا۔ اس کے بارے میں قائم چاند پوری رقم طراز ہیں کہ:

جامع فضائل معنوی و صوری، حقیقت آگاہ ملا نوری از قاضی زادہ ہای قصبہ اعظم پور است۔ در فن بدیع و معما
سرآمد روزگار خود بود و شعر فارسی بسیار بدیہ گفت چنانچہ قصائد طویل الذیل از وی یادگار است۔ گویند قتی کہ
ابوالفیض فیضی مثنوی "عل و دمن" تصنیف می کرد چوں بدایں مصرع رسید

ع موی شدہ ام زنا توانی

بجہت تمامی معنی افتادہ و مضمون مصرع ثانی بخاطر شنی رسدہ، ملائی مذکور بسابقہ معرفتی کہ داشت برای ملاقات
دی رفتہ بود تحقیقت حال دارسید، مصرع بر بدیہ گفت:

ع مو برتن من کند گرانی

فیضی بر لطف طبعش آفرین کرد و وزان باز اور البیاء کرد و وزان باز اور دوست می داشت۔ دوسہ غزل ریختہ بطور قدما از وی
مسموع است:

اما بفضل سوای این یک بیت مقطع چیز دیگر در خاطر نیست۔

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد بیچارہ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے ۲۱۔
ڈاکٹر جمیل جالبی ملا نوری کے اس شعر کے مصرع ثانی کے بارے میں فرماتے ہیں:

”نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے کے اس محاورے نے اثر آفرینی کا ایسا جادو جگادیا ہے کہ مصرع میں ضرب المثل بن

جانے کی قوت پیدا ہو گئی ہے۔“ ۲۲۔

روہیل کھنڈ میں اردو شاعری کی ابتدا کے سلسلے کی ایک کڑی مثنوی ”لولوئے از غیب“ ۲۳۔ ہے جسے روہیل کھنڈ کے مشہور و معروف
قصبہ آنولہ کے ایک ہندو شیوالال نے ۱۱۲۰ھ/۱۶۹۰ء میں تحریر کیا۔

یہ عہد تخت دہلی پر عالمگیر کی حکمرانی کا دور ہے۔ اس مثنوی کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کے مصنف پڑھے لکھے شخص
نہیں تھے اور نہ ہی فن عروض کی باریکیوں سے واقف تھے۔ اردو نظم کے اس ارتقائی دور میں اردو شاعری میں وہ پختگی نہیں آئی تھی جو ولی دکنی
کے دہلی آنے کے بعد ظاہر ہوئی ”لولوئے از غیب“ کے دس سال بعد ولی دکنی دہلی میں وارد ہوئے۔ ۲۴۔ ولی اس وقت دکنی زبان میں
شاعری کرتے تھے۔ اس مثنوی کا شاعر کوئی پختہ گوار مستند شاعر نہیں اور فنی لحاظ سے بھی اس مثنوی میں بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں۔

البتہ یہ مثنوی روہیل کھنڈ کی قدیم شاعری پر روشنی ضرور ڈالتی ہے ”لولوئے از غیب“ حمدیہ اشعار سے شروع ہوتی ہے:

۱۔ پس از توحید ذات کبریائی مدح خواں جس کی ہے ساری خدائی
۲۔ بنایا ہے اسی ذات نے رات اور دن کیا پیدا اسی نے ہے ہر اک فن ۲۵
۳۔ اسی کی ذات سے علم و ہنر ہے وہی ہر ایک کے دل کی خبر ہے ۲۶
آگے چل کر شاعر نے مختلف دنوں سے شگون لینے کے گرتائے ہیں۔ مثلاً: سہ شنبہ کے شگون کی خاصیت اس طرح بیان کی ہے:
۴۔ شگن منگل اگر ہر دم سناوے کسی عورت کو بستی میں رولاوے ۲۷
۵۔ شگن ہو اس کا گر چوتھے پہر میں تو کوئی دوست مر جاوے شہر میں
حکایت چہار شنبہ میں فرماتے ہیں:

۶۔ نئی رُت میں وطن ہے بدھ کا یار وہ شاہی میں کرے ہے پنج بیوپار
۷۔ بڑا غم خوار ہے اور بیٹھا ٹھگ ہے رویہ سب سے بیلوں کا الگ ہے
۸۔ اور اس کے گھر میں اک چشمہ چاہ مگر وہ خشک ہے بے آب واللہ
شگن شنبہ میں فرماتے ہیں:

۹۔ سنچر بول جب اپنا سناوے تو کچھ رخنہ وہاں درپیش آوے
۱۰۔ ڈرے بستی کا راجہ اے میری جاں دیا کوئی مسافر آمرے واں ۲۸
۱۱۔ پڑے ڈاکہ وہاں یا ہوئے ہو بائے دیا حاکم کسی کو باندھ لے جائے
خواص شگن اتوار میں تحریر فرماتے ہیں:

۱۲۔ شگن اتوار کا بھی ہم نے تاڑا بلا شک ہو وہاں پر غل غپاڑا
۱۳۔ کسی سے چل پڑے تکرار ہو جائے جماعت اس جگہ بسیار ہو جائے
شروع چکر دوشنبہ میں لکھتے ہیں:

۱۴۔ چلی جاتی ہے بھاگی سمت سار ۲۹ نہیں کچھ تن بدن کا ہوش ہے یار
شروع چکر سہ شنبہ میں فرماتے ہیں:

۱۵۔ میاں منگل کے گھر تیرہ پریں ۳۰ ہیں کہ جس کی دھوم تا عرش بریں ہے
۱۶۔ گئی ہے ساتویں گھر بدھ کے اے یار ۳۱ وزن کرتی ہے روپیوں کا اسی بار
۱۷۔ بس اے شیولال قصہ مختصر کر یہاں تاریخ کی بھی کچھ فکر کر ۳۲
۱۸۔ ہوئی ہاتف کی بھی الہام لاریب کہ اس کا نام کہہ لولوئے از غیب ۳۳

جس زمانے میں شیولال نے یہ مثنوی (۱۱۲۰ھ/۱۶۹۰ء) میں تحریر کی۔ اس وقت تک روہیل کھنڈ کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا اور نگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد ہندوستان میں جو ابتری اور بد امنی پھیلی، اس نے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

اورنگ زیب کے جانشین ٹکڑیوں میں بٹ گئے، امراء وزراء ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوششیں کرنے لگے۔ مغل دربار میں ایرانی اور تورانی دو مستقل گروہ تھے۔ ۳۴۳ البتہ ایرانی گروہ زیادہ بااثر تھا۔

دوسری جانب انگریز کامیابی سے اپنے مقاصد حاصل کر رہے تھے، مرہٹے، جاٹ، سکھ، بندیلے، راجپوت، مغل حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اتنے مضبوط ہو گئے تھے کہ مرکزی حکومت کو بھی خاطر میں نہ لائے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے بیرونی طاقتوں سے مدد کے طالب ہوئے۔

اسی دور میں برصغیر کے شمالی سرحدی علاقے کے بعض صاحبِ عزم مسلم قبائل دو آبے اور کٹھیر کے اس زرخیز علاقے میں قسمت آزمائی کے لیے پہنچے، اس سیاسی ابتری سے انھوں نے فائدہ اٹھایا، پہلے اپنے گروہ قائم کیے، مقامی رئیسوں اور زمینداروں کی مدد کرتے رہے اور آہستہ آہستہ اپنے قدم جماتے رہے اور پھر اپنی سیاسی حیثیت منوانے میں کامیاب ہو گئے۔ سرحدی علاقے سے آنے والے مشہور سرداروں میں نواب محمد خان بگلش ۳۵۵، داؤد خان ۳۶۱، نواب علی محمد خان ۳۶۷، حافظ الملک، حافظ رحمت خان ۳۸۸، اور نجیب الدولہ ۳۹۹ خاص طور پر مشہور ہوئے۔

مذکورہ تمام سرداروں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر مغلیہ سلطنت کی مدد کی اور مرکزی حکومت کو سہارا دیتے رہے۔ جن علاقوں میں انھوں نے اپنی ریاستیں قائم کیں وہاں امن و امان قائم رکھا اور رفاہی و فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پل، کنویں، سرائیں مدرسے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ان کے علاقوں میں خوشحالی کا دور دورہ رہا، ان سرداروں نے علمی و ادبی اور دینی تعلیمات کے لیے بڑے بڑے مدرسے اور مراکز قائم کئے۔ یہ اپنے دشمنوں سے برسرِ پیکار بھی رہتے تھے اور شعرو سخن کی محافل بھی منعقد ہوتی رہتی تھیں۔

کٹھیر کے اس علاقے میں جب انھوں نے نئی ریاست کی بنیاد رکھی تو یہ علاقہ روہیل کھنڈ کہلایا۔ ابتدا میں اس کا صدر مقام آنولہ تھا۔ جس کی بنیاد داؤد خان نے رکھی۔ نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں بہادر نصیر جنگ نے اپنے مختصر دور حکومت میں روہیل کھنڈ کو استحکام بخشا اور ملکی فتوحات کے ساتھ ادبی ماحول پیدا کیا۔ ۴۰۰

بعض مؤرخین نے روہیلوں کو خود سر، غاصب اور جاہل کہا ہے بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انھوں نے رعایا میں فنی و ادبی شعور پیدا کیا۔ ان میں بعض سردار خود شاعر بھی تھے اور شعرا کی قدردانی بھی کرتے تھے۔ انھوں نے اس دور کے شعرا کو خوب نوازا۔

ان کے مختصر دور کی یادگار فارسی اردو کا وہ سرمایہ شاعری ہے جو آج بھی اس دور کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ ۱۷۵۶ء سے ۱۷۷۴ء تک کا یہ عہد تقریباً اٹھارہ، انیس سال کو محیط ہے لیکن اس مختصر وقت کے علمی، ادبی اور دینی کام اور خدمات قابلِ ستائش ہیں۔ اگر ۱۷۷۴ء میں نواب شجاع الدولہ اور پیسنگز نے روہیلوں کا استحصال نہ کیا ہوتا تو آج اردو شاعری کی تاریخ روہیلوں کے ادبی کارناموں سے خالی نہ ہوتی۔

اب ہم روہیل کھنڈ کی مشہور ادب نواز شخصیات اور شعرا کی خدمات کے مطالعے کی جانب آتے ہیں۔

(۳)

۱۔ نواب علی محمد خان

۱۷۵۶ء میں داؤد خان نے رتن گڑھ کے زمیندار کھیم کرن پر حملہ کیا، وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ داؤد خان کو اس فتح یابی کے بعد باکولی ۴۱ (کانوا تحصیل بہیڑی) سے ایک بچہ ہاتھ آیا جس کو داؤد خان نے اپنا بیٹا بنالیا، اس کا نام علی محمد خان رکھا۔ اس کی تربیت نہایت معقول انداز سے کی اور تعلیم و تربیت کا اعلیٰ انتظام کیا تھا۔

نواب علی محمد خان کی قومیت کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ جاٹ تھے۔ ۴۲ لیکن اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ یہ ایک صاحبِ تدبیر سیاست دان اور ایک ذی علم شخص، جن کی عقل و دانش کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔

نواب علی محمد خان کا شمار روہیل کھنڈ کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ وہ چودہ برس کی عمر میں روہیل کھنڈ کے حکمران ہوئے انھوں نے اپنی قوت سے روہیل کھنڈ کے وسیع علاقے پر حکومت کی اور اسے خوش حال بنایا۔ آپ کو علم و ادب سے بے حد لگاؤ تھا اور وہ خود بھی شاعر تھے۔

فرخ آباد میں نگش نوابین اردو شاعری میں بھرپور حصہ لے رہے تھے۔ نواب احمد خاں نگش غالب جنگ کے دیوانِ ریاست کا نام نواب مہربان خان رند تھا۔ یہ ایک اچھے شاعر اور شعرا کے مربی تھے۔ مرزا سودا اور میر سوزان کے خوان کرم کے زلہ بار تھے۔ ۴۳ سودا کی نہ صرف مہربان خان رند ہی قدر دانی کرتے تھے بلکہ خود نواب احمد خاں نگش بھی مہربان تھے۔ امیر الامرا نواب نجیب الدولہ کے بیٹے نواب ضابطہ خان بھی شعرا کے مربی اور اہل علم کے قدر دان تھے۔ میدان کارزار میں اپنا پیش تر وقت گزارنے کے باوجود بھرپور انداز سے شعرا کی قدر دانی فرماتے تھے۔ فدوی لاہوری بھی کچھ دن ان کی رفاقت میں رہے اور نواب ہی کی فرمائش پر ”یوسف زلیخا داستان“ نظم کی جو ناتمام رہی۔ ظہور الدین حاتم کو نواب ضابطہ خان سے تقرب حاصل رہا تھا، انھوں نے ایک شعر میں نواب ضابطہ خان کی تعریف اس طرح کی ہے:

حاتم اس دور کے امیروں میں حاتم اس وقت ضابطہ خاں ہے
کٹھیر میں نواب علی محمد خان نے شعرا کو مدعو کرنے کا سلسلہ بھی شروع کیا، ۴۴ لیکن جلد ہی اقتدار جانے کے سبب یہ سلسلہ قائم نہ رکھ سکے۔ نواب محمد یار خان نے بعد میں ٹانڈہ میں شعراء کی محفل جمائی۔ روہیل کھنڈ میں جب نوابی ٹھٹھٹھے اور یہ پٹھانوں کا مرکز بنا تو انھوں نے شامی ہند کی سیاست میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جب دہلی میں نادر گردی سے بہت سے شعراء ترک وطن پر مجبور ہوئے، فکر معاش اور سخن پرورد راں رئیسوں کی تلاش میں نکلے تو ان میں سے دو چار بریلی اور آنولہ بھی آئے۔

نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں کے صاحب زادے بریلی اور آنولہ میں شعرو سخن کی محافل جمائے بیٹھے تھے، یہ خود بھی شعرو سخن کے دلدادہ تھے اور شعرا کی قدر دانی بھی کرتے تھے۔ ان کے دولت کدوں پر مشاعرے منعقد ہوتے جن میں یہ خود بھی شریک ہوتے تھے اور شرکا کی ہمت افزائی بھی فرماتے تھے اسی لیے دیگر علاقوں سے بریلی اور آنولہ منتقل ہونے والوں کو ہاتھ لیا گیا۔ یہ ترک وطن کر کے آنے والے شعراء صرف دہلی ہی سے نہیں آئے تھے بلکہ موجودہ روہیل کھنڈ کے مختلف مقامات و اضلاع سے اپنی حوصلہ افزائی کی امید لے کر پہنچے تھے۔

بریلی اور آنولہ کے شعراء کی فہرست کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قدیم روہیل کھنڈ کی اردو شاعری کی تاریخ سخن پرورد امیروں کی تاریخ ہے۔ چند شعراء امراء کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے بغیر بھی اپنے ذوق شاعری کو جلا دیتے رہے لیکن ان شعراء کو نظر انداز کیا جاتا رہا۔ نواب علی محمد خاں عربی اور فارسی زبان پر عبور رکھتے تھے کیوں کہ انھوں نے حافظ رحمت خاں کو روہیل کھنڈ

کا سردار بناتے ہوئے کہا تھا کہ: ”سعد اللہ کہ ہنوز فرق از نیک و بد نمیکند چہ رسد کہ بزرگاں گفتہ اند۔“ ۴۵

ابیات:

۱۔ بخور داں مفر مای کار درشت کہ سنداں نہ شاید شکستن بہ مشت
۲۔ رعیت نوازی و سر لشکری نہ کاریست باز بچہء سرسری
”حکومت امریت بس مشکل و کسی مناسب دارد کہ جامع جمیع صفات حسنہ باشد و جمع کل کمالات کاملہ و اینکه گفتم

در جود و مشہود است و علاوہ آل حقوق خداوندی ایشان بر ذمہ ما۔“ ۴۶

اس کے علاوہ پوری تقریر جو اس موقع پر موصوف نے فرمائی، فصاحت و بلاغت اور علم بیان کا مظہر ہے۔ ۴۷

۲۔ حافظ الملک حافظ رحمت خان

نواب علی محمد خان کے انتقال کے بعد ۱۷۴۹ء میں نواب محبت خاں کے پدر نواب حافظ رحمت خاں (۱۷۰۸ء تا ۱۷۷۷ء) پشتو فارسی عربی اور اردو زبانیں جانتے تھے ان کے جانشین مقرر ہوئے، آپ کی زندگی کا بیش تر حصہ میدان سیاست و کارزار میں گزرا۔ انگریزوں نے نواب شجاع الدولہ کے ساتھ مل کر سیرت و تدبر کے اس روشن باب کا جب خاتمہ کیا تو اس کے بعد پیسننگر کے وکیل نے پیسننگر کے مظالم اور اپنے اس مذموم اقدام کی صفائی میں حافظ الملک کو جاہل مطلق ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی اور ان کے شاعر ہونے سے بھی انکار کیا۔ ۴۸ لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حافظ رحمت خان پشتو، فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ ۴۹

”ایم ڈارلس ٹیڑ اپنے رام پور جانے کی کیفیت اس طرح بیان کرتا ہے کہ جب وہاں سے رخصت ہو رہا تھا تو اس کو ایک روہیلے نے حافظ رحمت خان اور دوسرے روہیلے سرداروں کا ایک قلمی (نسخہ) مجموعہ کلام دیا۔ یہ مجموعہ جو اس کو رام پور میں دیا گیا اور جواب برٹش عجائب خانہ کے مشرقی نوشتہ جات میں محفوظ ہے اس میں بہت سے دوسرے افغان سرداروں کی غزلیات کے علاوہ پشتو زبان کی ایک نظم حافظ رحمت خان کی بھی ہے۔“ ۵۰

”گو حافظ رحمت خاں کا دیوان میں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن تعلیم یافتہ انسانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ ایک دیوان چھوڑ مرے تھے، مجھے امید ہے کہ وہ اب بھی ہندوستان میں ہوگا لیکن خود مجھے نہ مل سکا۔ رامپور اور بریلی میں تو اب اس کے وجود کا لوگوں کو علم نہیں ہے۔ ۵۱ حافظ رحمت خاں ایک صاحب دیوان شاعر تھے کیوں کہ ان کا یہ قول تھا۔“ ایک سردار یاسپاہی کی شہرت اس وقت تک نامکمل رہتی ہے جب تک وہ صاحب دیوان نہ

ہو۔“ ۵۲

حافظ رحمت خان کے پاس ایک قیمتی ذخیرہ کتب موجود تھا۔ جب حافظ رحمت خان شہید کر دیئے گئے اور ان کے لواحقین کو قید کر دیا گیا تو شجاع الدولہ کی کتب کے اس بیش بہا خزانے کو جس کی وہ اہمیت سمجھتے تھے لکھنؤ لے گئے جو شاہان اودھ کے شاہی کتب خانے کی زینت بنا۔ ڈاکٹر اسپرینگر نے ان کتابوں کی فہرست مرتب کی تھی جس کی ایک جلد ۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر اسپرینگر لکھتے ہیں:

مجھے اسلحہ خانے میں چالیس صندوق خراب و خستہ حالت میں رکھے ہوئے ملے ان میں حافظ رحمت خان کا تمام علمی خزانہ موجود تھا، کتابوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بعض پشتو کی تصانیف تھیں جو بڑی کاوش کے ساتھ کمال حسن خوبی

بہادر اور صاحب علم و فضل روہیلہ سردار کے لیے لکھی گئی تھیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں لکھنؤ کا کتب خانہ لٹا کر

برباد ہو گیا۔ لیکن پھر بھی کافی تعداد میں اس کی کتابیں و قفا و قنادستیاں ہوتی رہی ہیں۔ ۵۳

حافظ رحمت خان کی تصانیف میں سے ایک تصنیف ”خلاصۃ الانساب“ ہے جس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن میں بھی محفوظ ہے۔ ۵۴ اس کتاب میں انھوں نے اپنے بزرگوں کے نام و نسب و غیرہم کے تفصیلی حالات تحقیق کے بعد تحریر کیے ہیں۔ حافظ رحمت خان کے دور کی ایک کتاب ”تواریخ رحمت خانی“ ہے۔ جس میں یوسف زئیوں کے کابل پر قبضے اور ہندوستان آنے کے تاریخی واقعات مفصل اور مشرح طور پر درج ہیں۔ ابتدا میں یہ کتاب ۱۶۶۲ء میں پشتو میں تحریر کی گئی تھی۔ اس کا آسان اور بامحاورہ فارسی میں ترجمہ حافظ رحمت خان نے ۱۷۷۰ء میں کروایا تھا۔ ۵۵

جہاں تک حافظ رحمت خان کی شاعری کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ فارسی اور پشتو زبان کے شاعر تھے۔ ہمیں امید ہے کہ جلد یا بدیران کے کلام کا نمونہ ضرور دست یاب ہوگا۔

۳۔ نواب عنایت خان ۵۶

۱۷۷۱ء تا ۱۷۷۳ء، نواب عنایت خان بہادر نواب حافظ رحمت خان کے بڑے صاحب زادے، عقل و تدبر اور سیاسی بصیرت میں اپنے بھائیوں سے سبقت لے گئے تھے۔ ایک بہادر سپاہی کی حیثیت سے جنگ پانی پت میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے کہ اس فتح کو شاہ درانی نے آپ کے نام سے معنون کیا تھا۔ نواب عنایت خان نے جھکڑے کا سرشاہ درانی کو پیش کیا تو درانی نے عنایت خان کی پیٹھ ٹھونک کر فرمایا:

”اے فتح بنام تو بہادر مبارکباد آفریں بر رحمت خدا بر پدر تو“

علاوہ ازیں بھاء ۸۵ کا سر قلم بھی عنایت خان کے ہاتھوں ہوا۔ آپ سور مشہور تھا۔ اس کے ہاتھ اس قدر لمبے تھے کہ گھٹنوں سے بھی نیچے آتے تھے، جن کے باعث تلوار چلانے میں اپنے زمانے میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے عربی اور فارسی کی تعلیم علمائے عصر سے حاصل کی۔ حاجی محمد سعید خان ۵۹ اپنے استاد، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے وصال کے بعد دہلی سے روہیل کھنڈ چلے آئے تھے، انھیں حافظ رحمت خان نے عنایت خان کا استاد مقرر کیا۔

حافظ رحمت خان کی صفت علم دوستی آپ کے صاحبزادوں کے حصے میں بھی آئی تھی۔ میر عوض علی ۶۰ مدعا شاہ جہاں آبادی نواب عنایت خان کی سرکار میں ملازم تھے۔ حافظ رحمت خان نے بریلی کا انتظام نواب عنایت خان کے سپرد کر دیا تھا لہذا آپ ۱۷۷۵ء سے بریلی میں رہنے لگے۔ تذکرہ شعرائے اردو مؤلفہ میر حسن کے مطابق: میر عوض علی مدعا شاہ جہاں آبادی عنایت خان کی سرکار میں ملازم تھے فرماتے ہیں:

”بر عنایت یزدانی از راہ قدر شناسی و کنتہ دانی خان عالی شان خلف حافظ رحمت خاں عنایت خاں ظفر اللہ سرہ روپیہ

دارد، چندے در بریلی اقامت داشت۔“ ۶۱

قدرت اللہ شوق نے طبقات الشعراء میں نواب عنایت خان کی حوصلہ مندی کے ساتھ ان کی مناسب فکر سخن کی تعریف میں

لکھا ہے کہ:

”نواب عنایت اللہ خاں خلف رشید حافظ رحمت خاں، جو انے بود عالی حوصلہ، خوش سلیقہ، حاتم زمانہ در جرات و شجاعت یگانہ، مجموعہ قابلیت و استعداد، در عنفوان جوانی ازیں جہان فانی ہزاراں داغ حسرت جاودانی ہم راہ خود بردہ، آں حافظ حقیقی بہ فضل یردانی و عنایت ربانی خود غریق رحمت کند، طبعش صائب و فکرش مناسب بود۔“ ۶۲

نمونہ کلام یہ ہے:

کل میرے دیوانے دل کی قید کی تدبیر تھی زلف کا کھلنا نہ تھا گویا وہی زنجیر تھی
نواب علی محمد خان کے ہنسلے بیٹے صاحبزادہ اللہ یار خان امیر کو شعر و سخن سے خاص دل چسپی تھی لہذا انھوں نے رام پور میں شعر و سخن کی فضا خوش گوار بنالی تھی۔ جب کہ حافظ رحمت خاں کے بیٹے عنایت خان نے بریلی میں شعر و سخن کے ذوق کو قائم رکھتے ہوئے میر غرض علی مدعا کی سرپرستی کی تھی۔

نواب عنایت خان، حاجی محمد سعید خان جیسے مشہور زمانہ عالم کے شاگرد تھے جن سے انھوں نے عربی و فارسی کی تعلیم پوری طرح حاصل کی۔ عنایت خاں کی مادری زبان پشتو تھی۔ بریلی میں نواب موصوف نے دوسرے شعراء اور ادباء کی بھی قدردانی کی۔ انھیں موسیقی سے بھی لگاؤ تھا۔ نواب محبت خان کی شادی کے موقع پر انھوں نے اپنے خاص احکامات سے رقص و موسیقی کی محافل کا بندوبست کیا تھا۔ نواب عنایت خان کا انتقال ۱۸۷۷ء/۱۱۸ھ میں بتیس ۳۲ برس کی عمر میں ہوا۔
۴۔ خواجہ حسن

خواجہ حسن، خواجہ ابراہیم کے بیٹے تھے جو خواجہ غیاث الدین مودودی کی اولاد میں سے تھے۔ ۶۳۔ ڈاکٹر لطیف حسین ادیب کے مطابق خواجہ حسن کا سلسلہ نسب خواجہ کمھاری چشتی مودودی سے ملتا ہے جو دہلی کے معروف درویش تھے۔ خواجہ حسن کا مکان محلہ پہاڑ گج دلی میں تھا لیکن وہ ترک سکونت کر کے بریلی آ گئے تھے۔ خاندان روہیلہ میں ان کی بہت قدر و منزلت تھی۔ خواجہ حسن اپنے خاندانی اثر کی وجہ سے تصوف سے پوری طرح واقف تھے، علم موسیقی سے خاص لگاؤ تھا، عاشق مزاج، دردمند اور خوب صورت انسان تھے۔ علم ریاضی، لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی، موسیقی اور درویشی میں بہت مشہور تھے۔ علم ہیئت، علم نجوم میں دسترس رکھتے تھے اور شاعری بھی خوب کرتے تھے۔ ۶۴

مصطفیٰ تذکرہ ہندی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

”صوفی مذہب اکثر مسائل صوفیہ را کہ مراد از وحدت وجود باشد با دلائل و براہین چنانکہ شیوہ صوفیان با فضل و کمال

است از روئے حدیث با ثبات رسانیدہ۔“ ۶۵

خواجہ حسن کو ایک بازاری عورت سے عشق تھا، اس کا نام بخشی تھا، غزل کے مطلع میں اس کا نام بالالتزام لاتے تھے۔ کلیات جرات میں ”حسن و عشق“ کے نام سے ایک مثنوی موجود ہے جو خواجہ حسن اور بخشی طوائف کے عشق کی داستان ہے۔ جرات نے اس مثنوی میں اس بات پر خاص طور پر زور دیا ہے کہ اس منظوم قصہ کو فرضی قرار نہ دیا جائے۔ اس لیے کہ انھوں نے جس قصہ کو بیان کیا ہے وہ شنیدہ نہیں، دیدہ ہے، افسانہ نہیں حقیقت ہے۔ خواجہ حسن کے جو اوصاف بتائے گئے ہیں وہ سب مثنوی حسن و عشق کے

ہیرو میں موجود ہیں لہذا اس مثنوی کو خواجہ حسن کے عشق کی داستان خیال کرنے میں شبے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ۶۶۔
 ۱۔ جان بخشی کو نہ آیا وہ دم نزع حسن
 اس نے اس وقت بھی مجھ سے چرائیں آنکھیں
 ایک جگہ فرماتے ہیں:

۲۔ بچے جی کیوں کر اس درد سخن سے
 ملے جب تک نہ یہ بخشی حسن سے
 مختلف تذکروں میں خواجہ حسن کا جو کلام ملتا ہے اس میں منتخب کلام ملاحظہ فرمائیے:

۳۔ یہی شورش عشق ہے تو الہی
 ۴۔ موئے ہم مگر بے قراری وہی ہے
 ۵۔ اگر نزع سے جان بخشی حسن کو
 ۶۔ یہ تو نے مجھ سے نالہ شب گیر کچھ نہ کی
 ۷۔ کچھ اور تو ہوا نہیں ہے ساری عمر میں
 ۸۔ اٹکے آنکھوں سے یکبار یہ چلے آنسو
 ۹۔ جھٹک کے ہاتھ سے دامن خفا جو یار ہوا
 ۱۰۔ یہ دوستی نے حسن اس کی بخشی کچھ تاثیر
 ۱۱۔ وقت نظارہ نہ روکتے تھے اے چشم تجھے
 ۱۲۔ وہ تو آیا نہ تماشے کو مرے نزع کے، پر
 ۱۳۔ آئے دیکھ کے حیراں جو ہوا اپنا آپ
 ۱۴۔ وقت وداع یار دل بے قرار نے
 ۱۵۔ پہنچا تھا ہاتھ چوری سے رات اس کے پاؤں تک
 ۱۶۔ بخشی حسن یہ لذت غم اس کی یاد نے
 ۱۷۔ آہ کیوں کر بے وفائی کا تری کیجے شمار
 ۱۸۔ اس نے کس کس طرح ٹالا ہم کو اپنے در سے آج
 ۱۹۔ کون سا نقصان اس میں آپ کا ہو جائے گا
 ۲۰۔ جان بخشی کر حسن کی نزع میں آکر شتاب
 ۲۱۔ ہمیں آرام زیر خاک بھی کیا خاک ہووے گا
 ۲۲۔ دل دلا سوں سے کرے ہے بے قراری بیشتر
 ۲۳۔ اشک اس کو نہیں سمجھتے ہم

اس آغاز کا کیوں کر انجام ہوگا
 خدا جانے کب دل کو آرام ہوگا
 تو اس میں تمھارا بڑا نام ہوگا
 یاں دل جلایا اور وہاں تاثیر کچھ نہ کی
 تقصیر یہ ہوئی کہ میں تقصیر کچھ نہ کی
 ہنسی ہنسی میں جو ذکر وداع یار ہوا
 تو دوہیں پیرہن صبر تار تار ہوا
 کہ دشمن آج پھر اک اپنا دوست دار ہوا
 شدت گریہ سے لے خاک نہ سوچھا دیکھا
 ہم نے اس وقت بھی اس کا ہی نظارہ دیکھا
 ہم تو تھے محو ترے، تو نے بھلا کیا دیکھا
 یہ آہ کی کہ عرش معلیٰ ہلا دیا
 پر میرے بخت خفتہ نے اس کو جگا دیا
 راحت کا جو مزہ تھا وہ ہم نے بھلا دیا
 اور تو سب اک طرف منہ بھی اٹھانے سے رہے
 دیکھو تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے
 اس طرف بھی مڑ کے دیکھو گے تو کیا ہو جائے گا
 ورنہ یہ ارمان اس کو اے میاں رہ جائے گا
 لیے پہلو میں یہ ایسا دل پُر شور جاتے ہیں
 خانہ ماتم میں ہو پُر سے سے زاری بیشتر
 جس میں لخت جگر نہیں آتا

خواجہ حسن کے یہ منتخب اشعار ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں ایک آئینے کے مترادف ہیں۔ ان کے اشعار میں حسن و عشق

کی لگاؤ موجود ہے ان کی عملی زندگی کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ بخشی طوائف سے ان کا معاشرہ کوئی پوشیدہ بات نہیں بلکہ انھوں نے اپنے اشعار میں اس کا برملا اظہار کیا ہے۔ ان اشعار میں ہجر کی کیفیات، نالہ و فراق کا غم زدہ انداز پایا جاتا ہے۔ واردات قلبی اور عشق کی چوٹ سے دل فگار اور دامن اشک بار نظر آتا ہے۔ ان کے اشعار میں سادگی اور پرکاری موجود ہے۔ حسن ایک پختہ گو شاعر ہیں جن کے اشعار میں دبستان لکھنؤ اور دبستان دہلی دونوں کی خوبیاں موجود ہیں۔

۵۔ نواب محمد یار خاں امیر: المتوفی ۱۷۷۵ء

والی روہیل کھنڈ نواب علی محمد خان کے دو صاحب زادے تھے، نواب فیض اللہ خاں اور نواب یار خاں امیر۔ نواب علی محمد خان کے انتقال کے بعد حافظ رحمت خاں نے ان کے بیٹوں کو علاحدہ علاحدہ جاگیریں عطا کیں اور روہیل کھنڈ کے علاقے کو تین مرتبہ مختلف انداز سے تقسیم کیا، اس تقسیم کا سبب نواب علی محمد خاں کے بیٹوں کے درمیان رونما ہونے والا اختلاف تھا۔

”نواب فیض اللہ خاں کورامپور، چھاچھٹ اور شاہ آباد کا علاقہ ملا تھا، نواب محمد یار خاں امیر بوجہ صغیر سنی ان کی تربیت میں دے دیے گئے تھے۔ بعد میں نواب محمد یار خاں امیر ٹانڈہ ۱۷۷۱ء میں قیام پذیر ہوئے اور وہیں مسند امارت بچھائی۔ انھیں شاعری اور موسیقی سے دل چسپی تھی۔ علم موسیقی اور ستار نوازی میں یگانہ و یکتائے روزگار تھے۔“ ۶۸

اہل علم کی سرپرستی کرتے تھے۔ مراد آباد کے ایک صاحب انصاری کبیر علی نام کبیر تخلص، طبیب ریاست تھے، ظریف انسان تھے، ۶۹۔ انھوں نے نواب محمد یار خاں امیر کو اردو شاعری کا شوق دلایا، لہذا ان کی تحریک پر مرزا رفیع سودا اور میر سوز کو خطوط لکھے گئے، یہ دونوں بزرگ اس وقت فرخ آباد میں تھے اور وہاں نواب احمد خاں بنگش کے دیوان ریاست، مہربان خاں رند کی سرکار میں بصریہ شاعری عز و امتیاز رکھتے تھے اس لیے حاضر خدمت نہ ہو سکے۔

سودا کے نامور شاگرد، قیام الدین قائم چاند پوری، بدایوں کے قریب بسولی میں موجود تھے اور نواب دوندے خاں (حافظ رحمت خاں کے چچا زاد بھائی) کی سرکار میں ملازم تھے۔ ۷۰۔ نواب محمد یار خاں امیر کے حسب الطلب ٹانڈہ پہنچے سو روپیہ ماہ وار تنخواہ مقرر ہوئی اور نواب کی استادی کا شرف حاصل ہوا۔ اے قائم اس بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

تجھ کو قائم رکھے اللہ بہت سا اے امیر مجمع سائے میں ہیں جس کے سخنداں ایسے

چشمہ شیریں کے قریب شعرا کا جھم گٹا ہوا، فدوی لاہوری، نعیم اللہ خاں نعیم اور قائم کے شاگرد پروانہ مراد آبادی نے نواب کی مصاحبت میں اردو شاعری کے ارتقا میں حصہ لیا۔ مولوی قدرت اللہ قدرت بھی ٹانڈہ میں وارد ہوئے انھوں نے ایک تذکرے کا مؤلف بن کر خوب شہرت پائی۔ میاں عشرت اور مصحفی نے بھی ٹانڈہ میں قیام کیا۔ ۷۱

استاد، قیام الدین قائم کی شاعری اور زور قلم کا اثر نواب محمد یار خاں امیر کی شاعری پر پڑا۔

جہاں تک نواب محمد یار خاں امیر کی سخن شناسی اور علم پروری کا تعلق ہے تو اس ضمن میں مصحفی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

”علم موسیقی و ستار زدن یگانہ روزگار و رعنائی و زیبائی جو انے بود باغ و بہاراں... کہ بہ ترغیب حکیم کبیر سنبھلی شوق

شعر ہندی دامن دلش را بسوے خود کشید، خطی بطلب میر سوز و مرزا رفیع سودا نوشتہ روانہ کرد، چوں در آں ایام ایں

ہر دو بزرگ و سرکار مہربان، خان رند تخلص بصیرہ شاعری عز و امتیاز داشتند از فرخ آباد آمدن ایشان بہ ٹانڈہ کہ موضع

بودوباش نواب بودا اتفاق بیفتا دآخر کار میاں محمد قائم کہ در آں ایام در بسوی بودند حسب الاشارہ آمدہ شرف ملازمت

آں والا جناب دریافت و بدر ماہہ یک صد روپیہ عز و امتیازش دارد باستالیش برداشت۔“ ۳۷

نواب محمد یار خاں امیر، قائم کے شاگرد تھے۔ اور قائم نے پہلے شاہ ہدایت سے مشورہ لیا، پھر خواجہ میر درد سے بھی اصلاح لی تھی لیکن تلمذ کا باقاعدہ سلسلہ سودا سے شروع ہوا۔ ۴۷ لہذا امیر کے کلام میں اپنے استاد کے رنگ کے ساتھ ساتھ میر درد کے کلام کا رنگ بھی غالب رہا۔ میر درد کے کلام کی پرتاثیر سادگی کا عنصر امیر کے کلام کا بھی نمایاں پہلو ہے۔ قائم اور میر درد کی طرح امیر نے بھی چھوٹی بحور میں عمدہ اشعار کہے ہیں:

دیکھی جو میں سرنوشت اپنی جز روز سیاہ کچھ نہ نکلا
کیا تو نے دیا مجھ کو ساقی شیشہ میں تو واہ کچھ نہ نکلا

ان اشعار میں میر درد کی زبان بول رہی ہے۔ اس کے علاوہ قائم پر ان دنوں درویشی کا رنگ غالب تھا جو امیر کے اشعار سے بھی نمایاں ہوتا ہے۔ ۵۷

اٹھ جائے گریہ بیچ سے پردہ حجاب کا دریا ہی پھر تو نام ہے ہر اک حباب کا (قائم)
ماہیت خلق خوب سمجھے پر آپ سے بے خبر گئے ہم (امیر)
نواب امیر ایسے خاندان سے تعلق تھے جو سنی العقیدہ اور عشق محمدی سے سرشار تھا، نماز روزہ کے پابند تھے، عبادت و ریاضت میں اپنی راتیں گزارتے تھے۔

جنس طاعت سے کچھ اپنے تو نہیں پاس امیر مگر احمد کا ہوں میں اور ہے احمد میرا
امیر کی غزلیات کے بیش تر اشعار اس دور کی غزل کے روپ کا مظہر ہیں۔ ان میں ہجر و وصال کی کیفیات، محبوب کے عشوے و غمزے، عشق کی لگاؤ، جذبہ خودداری کے ساتھ، سادگی اور دردمندی سے نظم کی گئی ہیں۔
نمونہ کلام:-

تیرے گھر جانے سے یاں اپنا تو گھر جاتا ہے
ہائے سرنخی ترے رخسار کی ہنگام عتاب
سرخ چشم اتنی کہیں ہوتی ہے میخواری سے
وقت رخصت کے ترے اے مرے جی کے دشمن
کس نے نظروں میں خدا جانے اسے مل ڈالا
کیا کہوں دلولہء شوق کو تیرے میں امیر
شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن
تھر تھراتا ہے اب تلک خورشید
داغ دل لے چلے گلی سے تری
اے میری جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے
جتنا بگڑے ہے وہ اتنا ہی سنور جاتا ہے۔
لہو تیرا تری آنکھوں میں ہے خونخواری سے
تھام تھام آج رکھا دل کو میں کس خواری سے
زگس آج آنکھ اٹھاتی نہیں بیماری سے
گھر میں جاتے ہیں پرانے تو خبرداری سے
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا ۶۷
سامنے تیرے آگیا ہوگا
چاپئے کچھ نشان کی خاطر

۱۔ کیوں سیل کچھ تجھے بھی خبر ہے کہ مثل موج
 ۲۔ جوں نقش قدم نام کو ہستی ہے ہماری
 ۳۔ جاؤ دنیا پہ اعتماد ہے کیا
 ۴۔ کن حسرتوں سے چھوڑ کے ہم یہ جہاں چلے
 ۵۔ گروقت ذبح نالہ کیا میں نے کیا ہوا
 ۶۔ جائیں گے کس طرف کو ہیں آئے کہاں سے ہم
 ۷۔ اک بار کے جھونکے میں نہ ہم ہیں نہ نشان ہے
 ۸۔ مہر بعد از فروغ ڈھلتا ہے
 ۹۔ آئے تو حد سبک تھے پہ کتنے گراں چلے
 ۱۰۔ پیارے کسی کا ہاتھ کسی کی زباں چلے
 نواب محمد یار خاں امیر کے محولہ بالا اشعار میں روانی اور سلاست پائی جاتی ہے، محاورات کا استعمال نہایت خوش اسلوبی سے کرتے ہیں، سیدھے سادے پیرائے میں اپنا مافی الضمیر پیش کرتے ہیں۔ ان کے بعض اشعار تو ضرب المثل بن چکے ہیں اور زبان زد عام ہیں۔ مثلاً:

۱۔ گر وقت ذبح نالہ کیا میں نے کیا ہوا
 ۲۔ شکست و فتح میاں اتفاق ہیں لیکن
 ۳۔ امیر کے کلام میں سہل ممتنع خاص انداز سے جلوہ گر نظر آتا ہے، فرماتے ہیں:
 ۴۔ ماہیت خلق خوب سمجھے
 ۵۔ ہر ایک شاعر کا کائنات اور زندگی کے بارے میں ایک تصور ضرور کھل کر سامنے آتا ہے اور ہر بڑے شاعر نے اس فکر کو کسی نہ کسی انداز میں اجاگر بھی کیا ہے۔ امیر بھی اس ضمن میں دیگر بڑے صوفی شعرا کی طرح انداز فکر رکھتے ہیں:
 ۶۔ کہاں کی زیست کس کی عمر یہ سب
 ۷۔ جوں نقش قدم نام کو ہستی ہے ہماری
 ۸۔ اک بار کے جھونکے میں نہ ہم ہیں نہ نشان ہے
 ۹۔ امیر اپنے مصاحبوں کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کی محفل سجائے ہوئے تھے کہ حافظ رحمت خاں شہید کر دیے گئے، نواب فیض اللہ خاں بہادر لال ڈانگ میں محصور ہو گئے، امیر بھی افراتفری کے عالم میں ٹانڈہ سے نکلے۔ سنبھل سے نزدیک فیروز پور میں ان کے برادر نسبی علی محمد خاں ولد پائندہ خاں ملے، انھوں نے بتایا کہ اب کوئی لال ڈانگ نہیں پہنچ سکتا، مجبوراً محمد یار خاں آنولہ چلے گئے۔ شجاع الدولہ نے منونہ پہنچ کر کیمپ کیا تو نواب محمد یار خاں، مرزا آغا اور مرزا رمضان کی معرفت شجاع الدولہ کے حضور پیش ہوئے اور انھیں امان دی گئی۔ اس طرح آنولہ کی لوٹ مار کے دوران ان کا مکان، مال و اسباب محفوظ رہا۔ لیکن ٹانڈے سے جس پریشانی کے عالم میں نکلے تھے اس میں اپنی شاعری کے مسودات کا خیال نہیں رہا اور مسودات خدا جانے کہاں سے کہاں پہنچے۔ ۷۷ منونہ کیمپ میں امان دینے کے بعد جب آنولے سے کوچ ہوا تو شجاع الدولہ نے نظر بندی میں انھیں اپنے ساتھ رکھا۔ فیض اللہ خاں بہادر اور شجاع الدولہ کی صلح کی تکمیل کے وقت امیر شجاع الدولہ کے کیمپ میں موجود تھے۔ یہ طویل بیماری بالآخر جان لیوا ثابت ہوئی۔ تھی چنانچہ رام پور چلے آئے تھے، دوڑھائی ماہ بعد ذی قعد ۱۱۸۸ھ/ ۱۷۷۵ء میں انتقال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ کیمپ میں ان کی خاطر خواہ مدارات اور دیکھ بھال نہیں ہوئی اور وہ بیمار پڑ گئے۔
 نواب یار محمد خاں امیر کی عظمت کا راز ان کے مربی سخن ہونے میں پوشیدہ ہے ان کی مجلس سخن میں شعراء کا بڑا اجتماع ہو گیا

تھا۔ اگر سیاسی افراتفری نہ ہوتی اور حافظ رحمت خاں، شجاع الدولہ اور انگریزوں کی ملی بھگت سے شہید نہ کر دیئے جاتے تو روہیل کھنڈ میں اردو شاعری کی تاریخ کچھ اور ہوتی اور روہیل کھنڈ کا دبستان شاعری ایک علاحدہ دبستان کی حیثیت سے پہچانا جاتا۔

۶۔ قیام الدین قائم چاند پوری

شیخ قیام الدین نام عرف محمد قائم ہے۔ قائم تخلص، چاند پور ضلع، بجنور کے رہنے والے تھے۔ ۸۷۰ھ آپ سن شعور کو پہنچتے ہی روزگار کی تلاش میں دہلی آئے۔ یہ شاہ عالم کا دور تھا۔ شاہی توپ خانے میں نوکر رہے، علوم متداولہ میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ ۹۷۰ھ لہذا بے فکر ہوئے اور شاعری شروع کی، ابتدا میں شاہ ہدایت سے تلمذ اختیار کیا لیکن جلد ہی ان سے بگاڑ پیدا ہو گیا اور ان کی بھوکہ بھئی، خواجہ میر درد سے اصلاح لینے شروع کی لیکن کچھ مدت بعد ان سے بھی اختلاف ہوا۔ ان کی بھی بھوکہ بھئی، درد کے بعد سودا سے رجوع کیا اور سودا کے ساتھ بھی انھوں نے وہی ڈھنگ اختیار کیا لیکن سودا کو بھجوں میں خاص شہرت حاصل تھی اور ان کے سامنے ان کی چل نہ سکی سودا نے ایسی خبر لی کہ کس بل نکل گئے۔ ۸۰۰ھ

دہلی کے زوال کے قریب، قائم نے آنے والے وقت کو محسوس کر لیا، پہلے بسولی کے لیبرخت سفر باندھا، بسولی میں نواب دوندے خاں اپنی نوابی کے ٹھٹھائے جمائے بیٹھے تھے، انھیں کی سرکار میں ملازمت اختیار کی۔ سو روپے مہینہ وظیفہ پر نواب محمد یار خاں امیر کے استاذ مقرر ہوئے۔

قائم لکھنؤ جا کر اپنی خاندانی جائیداد کی بحالی کے بعد مکمل طور پر رام پور میں ایسے بیٹھے کہ مرکز اٹھے۔ قائم ہی نے مصحفی کو بھی نواب محمد یار خاں امیر کی سرکار میں ملازم رکھوایا۔ قائم کو بحیثیت شاعر سودا کے ہم پلہ قرار دیا جاتا ہے۔ قائم فرماتے ہیں:

۱۔ ایک سودا کی تو قائم نہ کہوں میں در نہ ہے تیرا طور سخن حد بشر سے باہر
مصحفی، قائم کو سودا پر ترجیح دیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

”در پختگی کلام و چستی مصراع غزل درو یہ قصیدہ و مثنوی وغیرہ موافق رواج زمانہ دوش بدوش استاد راہ میر و بلکہ در

بعض مقام غلبہ میجوید۔“ ۸۱

لیکن شیفٹہ نے اپنے تذکرے میں اس بات کو ماننے سے انکار کیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قائم کے اشعار میں سودا کی سی بلند پروازی اور شان و شوکت نہیں البتہ یہ درست ہے کہ انھوں نے بہ کثرت اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ مثلاً مثنوی ۸۲، غزلیات، قطعات، رباعیات وغیرہم میں ان کا قابل ذکر کلام موجود ہے۔ دراصل میر درد، میر سوز، اور سودا سے اصلاح پانے والا شاعر قادر الکلام ضرور تھا لیکن کاش وہ ان اساتذہ کی خاک پا کو سرمہ بناتا تو اسے ضرور شہرت کی بلندی میسر ہوتی۔ قائم کے اس رویے سے جو انھوں نے اپنے سابقہ اساتذہ کی بھوکہ بھئی کر ظاہر کیا، قائم کی بدماغی اور کم مائیگی ظاہر کرتا ہے۔ البتہ قائم کے بعض اشعار ضرب المثل بن گئے اور بہت مشہور ہوئے، مثلاً:

۲۔ قسمت ۸۳ تو دیکھو ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
قائم کے کلام میں درد، سوز، اور سودا، کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ سہل ممتنع کے زمرے میں جو اشعار آتے ہیں وہ درد کے

اشعار کا سامنا کرتے ہیں:

ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم کیا کہوں پر رہا نہیں جاتا
قائم کے کلام میں قدیم شعرا کی طرح گفتگو کا وہ انداز ملتا ہے جو روزمرہ محاورہ کا خاص انداز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
جیسے آپس کی بے تکلف گفتگو کا اشعار کے قالب میں ڈھال دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں قائم کا کلام بڑے بڑے استاد شعراء سے کسی طرح
کم نہیں۔

اک عرض تو تھی پر اس سے پیارے کیا کہیے جو بات کو نہ سمجھے
گو ہم سے تم ملے نہ، تو ہم بھی نہ مر گئے کہنے کو وہ گیا یہ سخن دن گزر گئے
روزمرہ محاورہ کی زبان اشعار میں علاحدہ ہی نظر آتی ہے، قائم کو اس سلسلے میں کس قدر ادراک و مشق ہے وہ ان کے اشعار
سے واضح ہوتا ہے۔ خاص طور پر ایسے اشعار سے جن میں ایک ہی موقع پر کئی روزمرہ محاورے استعمال کیے گئے ہیں اور شعر کو کہاں سے
کہاں پہنچا دیا گیا ہے۔ قائم کے منتخب اشعار جو مختلف تذکروں میں ملتے ہیں ان سے ایک بات اور سامنے آتی ہے کہ ان کے کلام میں
صنعت تضاد کو بحسن و خوبی کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں ہم صنعت تضاد کے چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں:

۔ کیوں چھوڑتے ہو دُرِ دہرے جام مے کشو
۔ تیرے فراق میں مر کر کھلا ہے یہ عقدہ
۔ کیوں نہ روؤں میں دیکھ خندہ گل
۔ نصحا کر نہ اسے سی کے پشیمان مجھ کو
۔ اہل مسجد نے جو کافر مجھے سمجھا تو کیا
دُڑہ ہے یہ بھی آخر اسی آفتاب کا
گرے تھے دور سے لیکن خدا نے تھام لیا۔
ہو تجھ سا شخص جب دشمن ہمارا
کہ تھی وہ موت سمجھتے تھے جس کو ہم جینا
کہ ہنسے تھا وہ بے وفا یونہی
کہتے ہیں چاک ابھی کرنے گریباں مجھ کو
ساکن دیر تو جانے ہیں مسلمان مجھ کو
مندرجہ بالا اشعار میں ہم متضاد الفاظ کی بڑی تعداد تلاش کر سکتے ہیں۔ چند اشعار مزید ملاحظہ فرمائیے جن میں تخیل کی
بلند پروازی، لطف محاورہ اور نکتہ آفرینی پائی جاتی ہے۔

۔ آتش عشق میں جلنا نہیں کار آساں
۔ جوں موج مرا قافلہ غافل ہے سفر سے
۔ ہوتے ترے مجال ہے ہم درمیاں نہ ہوں
شیخ جی مانا میں اس کو تم فرشتہ ہو تو ہو
معاملہ بندی کا ایک شعر دیکھیے:

قائم اور تجھ سے طلب بوسہ کی کیوں کر کہیے
یوں وہ نادان ہے پر اتنا تو بد آموز نہیں ۸۴

۷۔ حکیم کبیر علی سنہلی

حکیم کبیر علی انصاری سنہلی، مراد آباد کے متعلقات میں سنہلی کے رہنے والے تھے۔ طب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ۸۵ نواب محمد یار خاں بہادر کے ملازم تھے۔ تذکرہ کالمان رام پور میں تحریر ہے۔

”ایک روز نواب صاحب کی آنکھ میں سال کی لکڑی کا ایک ریزہ گھس گیا، حکیم صاحب نے محمد حیات جراح کو بلا کر کہا اس کو نکال لے چنانچہ اس کام کے لیے جو آلات مقرر ہیں اس سے وہ ریزہ نکال لیا مگر آنکھ سے خون جاری ہو گیا۔ حکیم صاحب نے فوراً دوا تجویز کر کے آنکھ پر پٹی باندھی۔ تیسرے دن پٹی کھولی آنکھ اچھی تھی۔ مگر سرفی شدید آنکھ میں پیدا ہو گئی تھی ایک ہفتے کے علاج میں وہ بھی جاتی رہی۔ نواب صاحب نے غسل صحت کی خوشی میں ڈوم ڈھاڑیوں کو خلعت اور بہت روپے دیے۔ اسی طرح مصاحبین کو مثل سید حسن شاہ و میر ضیاء الدین عبرت اور میر محمد قاسم شاعر اور میاں معز الدین وغیرہ کو خلعت دوشالے، تھان کخواب اور بناری دوپٹوں کے دیے۔ لیکن حکیم صاحب چوں کہ نوکر تھے، ایک پان بھی نہیں دیا، حکیم صاحب نے ذیل کی رباعی لکھ کر نوازی نامہ درزی کے ہاتھ نواب صاحب کو بھیج دی۔“ ۸۶

۷۔ جناب عالی کیا آج غسل صحت کا ہر اک ندیم کے تئیں عطر اور پان ملے
۷۔ بجائے خلعت ہفت پارچہ و اسپ عراق حکیم جی کو بھی کہتے ہیں تین تھان ملے
مصطفیٰ تذکرہ ہندی میں لکھتے ہیں:

”حکیم کبیر سنہلی انصاری بودہ کبیر تخلص می گذاشت، فقیر ایشاں رادر سرکار نواب محمد یار خاں امیر مرحوم کے ذکر ایشاں گذشت دیدہ بود بسیار بخوبی پیش آمدہ بہ سبب تہاوی ایام یک شعر از ایشاں بخاطر است“ ۸۷
۷۔ ایک ہی یار سے جی ناک میں آیا ہے کبیر زبست معلوم اگر ایسے ہی دوچار ملے
ڈاکٹر لطیف حسین ادیب فرماتے ہیں کہ:

”حکیم سنہلی ایک ذی حیثیت شاعر تھے وہ نوابین روہیلہ کے پرانے نمک خوار اور نواب محمد یار خاں امیر کے رفیق تھے۔ ان ہی کی ترغیب پر امیر نے شعر گوئی کی تھی ان کے دیوان کا قلمی نسخہ ایشیا ٹک سوسائٹی کلکتہ میں محفوظ ہے۔“ ۸۸

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے ایشیا ٹک سوسائٹی کلکتہ کے اردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست مع ضمیمہ کے ”تحقیق“ شمارہ ۱۶ میں پیش کی ہے۔ ۵۸ نمبر پر ۳۲۹-۳۲۸ ”دیوان کبیر“ مصنف حکیم کبیر علی انصاری سنہلی اور اوراق ۱۱۱ سطر: ۱۱ سطر، سائز ۱۲-۸×۱۴-۱۵ انچ، خط: خوشخط نستعلیق، مرتومہ نامعلوم غالباً انیسویں صدی۔

حکیم کبیر علی انصاری تخلص بہ کبیر سنہلی (ضلع مراد آباد) کے رہنے والے تھے شعراء کے کسی تذکرے میں ان کا ذکر نہیں ۸۹ البتہ اسپرنگر نے اپنی فہرست مخطوطات کتب خانہ شاہ اودھ میں صفحہ ۲۴۶ پر ذکر کیا ہے۔ مخطوطہ حمد کے اس مطلع سے شروع ہوتا ہے۔

کوئی حشمت جہاں میں اور کوئی جاہ لے آیا میں اپنے ساتھ تیرا نام یا اللہ لے آیا
ابتدائی ۷۸ صفحات غزلوں پر مشتمل ہیں۔ اس کے بعد ۲۸۵ پانچویں صفحہ ۹۸ سے شروع ہوتے ہیں۔ مخمسات کے بعد ۷ اخلاقی

نظمیں درج ہیں صفحہ ۱۰۴ سے ۱۰۶ پر مبارک ملک نواب محمد یار خاں بہادر شجاعت جنگ کی مدح میں ایک قصیدہ دیا گیا ہے۔ جس کا مطلع ہے:

ہوا میں ہاتھ سے دور اُن کے اس قدر رنجور کہ بات کہنے کو باقی نہیں رہا مقدور

اس قصیدے کے بعد ایک اور قصیدہ بغیر عنوان کے درج ہے۔ اسم مدوح معلوم نہیں ہو سکا۔ درمیان میں صفحات ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۳۰، ۳۱ تا ۳۷ خالی چھوڑ دیے گئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دیوان نامکمل ہے۔ حاشیوں پر متعدد جگہ اضافی اشعار درج ہیں۔ آخری صفحہ پر یہ تحریر ہے۔

”پنجاہ پنچ تا دور تفویض سعد اللہ کرد“

۸۔ سید پروانہ علی شاہ مراد آبادی
 پروانہ تخلص، نام سید پروانہ علی، ترک لباس کر کے ایک مدت تک حیدر آباد میں رہے۔ ۹۰ قیام الدین قائم چاند پوری کے توسل سے نواب محمد یار خاں امیر کی بزم سخن میں داخل ہوئے قلندری وضع اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ ان سے متعلق گلزار ابراہیم میں تحریر ہے کہ:

”دریں زمانہ کہ عہد عالم شاہ است شنیدہ ترک دنیا داری کردہ لباس فقر پوشیدہ۔“ ۹۱
 مصحفی تذکرہ ہندی میں لکھتے ہیں:

”جوان شوریدہ سر و قلندر وضع بود بنگ و شراب و شدت میزد و یکسب و شغل نفی و اثبات وغیرہ نیز را ہے داشت گاہ
 گاہے از کشف کہ کمال را باشد مشاہدہ کردم۔ معرفت محمد قائم در سرکار محمد یار خاں کہ ذکر ایشان گذشت او ہم
 در سلسلہ شعراء جادداشت و چیزے کہ موزوں می کرد از نظر ایشان می گزرانید۔“ ۹۲

پروانہ نواب امیر کی سرکار میں شعراء کے زمرے میں شامل تھے اور نواب امیر کے استاد قیام الدین قائم کے شاگرد تھے۔
 پروانہ اپنا دیوان درست کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

ہمت حضرت قائم سے اگر ہو امداد چند ایام میں کر لیجیے دیوان درست
 نمونہ کلام:

آج ثابت نہ رہے دل نہ کوئی جان درست اس کی مڑگاں نے کیے پھر پروپیکان درست
 الفت جو کی ہے تم نے میاں اس کا ساتھ دو یا دل جو لے گئے ہو میرا، میرے ہاتھ دو
 اپنا تو دل زمانے سے اب اتنا تنگ ہے جو دم ہے زندگی کا، سوشیشہ پہ سنگ ہے
 حافظ محمود شیرانی نے ”پنجاہ میں اردو“ میں لکھا ہے کہ ”پروانہ“ اس کے نام اور حالات سے کوئی اطلاع ہم نہیں پہنچ سکی،
 یہ ملے اس کی یادگار ہے۔

شب و روز مجھے پیا بن چین نہ آوے (کذا) کہیں کوئی ایسا مجھے پیا ملاوے
 احوال دل خویش بگویش کہ گوئم یہ دکھ ہمارا پیا کول کون سناوے
 بیہات کہ یہ عمر ہم ضائع ہی کھوئی وہ دم غنیمت کہ پیا سنگ بہاوے

ۛ محبت کچھ آساں نہیں اے دل
ۛ الفت جو کی ہے تم نے یہاں اس کا ساتھ دو
ۛ اپنا تو دل زمانے سے اب اتنا تنگ ہے
یہ راہ جب دار چڑھے تب جا منصور کہاوے
یا دل جو لے گئے ہو میرا مرے ہاتھ دو
جو دم ہے زندگی کا ، سوشیشہ پہ سنگ ہے

۹۔ نعیم اللہ خاں نعیم

نعیم اللہ خاں نعیم، شاہ حاتم کے شاگرد تھے اور اس طرح مرزا رفیع سودا اور نعیم اللہ خاں نعیم ایک ہی استاد کے شاگرد تھے۔ نواب محمد یار خاں امیر نے شعرا کی قدردانی کی تو بہت سے شعرا نواب کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے اور ان کی فیاضانہ طبیعت سے مالا مال ہوئے۔ نواب امیر کی سرکار میں یہ ایک جوان العمر اور پُر گوشتاعر تھے۔ مصحفی نے لکھا ہے:
”فقیر اور در آتولہ دیدہ بود کہ بعد چندے در سر کار نواب محمد یار خاں نوکر شد چوں ملازمت نواب مؤلف ہم در آں نزدیکی کرد و قصیدہ، مدح بہ گوش حضار مجلس رسانیدہ داخل صحبت کیمیا خاصیت شد لہذا اکثر اتفاق ملاقات می افتاد۔“ ۹۳

جب کہ میر حسن بیچیکے لیے یہ رائے قائم کی ہے:

”فکرش سرسری است بعالم اعلیٰ ز سیدہ مگر بعضے جتہ جتہ خوب می گوید۔“ (بحوالہ شعر الہند۔ ص ۱۲۶)

ٹانڈہ کی محفل اُس وقت تک برقرار رہی جب تک روہیل کھنڈ پر حافظ رحمت خاں اور نواب علی محمد خاں کے صاحبزادوں کی سرداری قائم رہی۔ اس علاقے میں شعرا کی جیسے قدردانی نواب علی اور اُن کے خاندان کی وہ بلاشبہ قابل رہے۔ سکرتال کے مقام پر ضابطہ خاں کی شکست کے بعد روہیل کھنڈ کی آبادی میں شدید تفرقہ پیدا ہو گیا چنانچہ اس زمانے میں نعیم اللہ خاں اتر چھینڈی ۹۴ چلے گئے اور وہیں مرض استسقا میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔
نمونہ کلام:-

ۛ آفت کی نشانی ہی رہے ہم تو زمیں پر
ۛ گر تجھے منظور تھا غیروں سے ہونا آشنا
ۛ تیری خاطر کے لیے سنتا ہے اے بیگانہ وضع
ۛ کوچہ یار سے دل ہم سے اٹھایا نہ گیا
ۛ شتابی عبث تو نے کی جان مضطر
ۛ کس سے لگاویں دل کوئی محبوب ہی نہیں
جو سنگ بلا چرخ سے آیا سو ہمیں پر
پھر عبث تو کیوں ہوا ظالم ہمارا آشنا
سب مرے دشمن ہیں کیا بیگانہ و کیا آشنا
مل گیا خاک میں اس طرح کہ پایا نہ گیا
ابھی تو ہمیں آرزو تھی کسو کی
اور سچ کہو تو کام یہ کچھ خوب ہی نہیں
نعیم اللہ خاں نعیم کے کلام میں روانی پائی جاتی ہے۔ نعیم کے اشعار میں سادگی، تابانی اور رعنائی خیال موجود ہے۔ شوکت
الفاظ اور بلند پروازی تخیل اس شاعر کے پختہ گوہونے کی دلیل ہے۔
ۛ آفت کی نشانی تو رہے ہم ہی زمیں پر
جو سنگ بلا چرخ سے آیا سو ہمیں پر

۔ کوچہ یار سے دل ہم سے اٹھایا نہ گیا مل گیا خاک میں اس طرح کہ پایا نہ گیا
بیان کی سادگی کے ساتھ، وسعت خیال اور شاعرانہ استدلال قابل تعریف ہے۔ سہل ممتنع کے بعض اشعار ان کے
استاذ ظہور الدین حاتم کے ہم پلہ ہیں:-

۔ تم تو بیٹھے ہوئے یہ آفت ہو اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو (حاتم)
۔ کوچہ یار سے دل ہم سے اٹھایا نہ گیا مل گیا خاک میں اس طرح کہ پایا نہ گیا (نعیم)
حاتم کے پینتالیس تلامذہ ہیں، ان میں جو تین شعراء سرفہرست ہیں وہ سودا، نعیم اور بقا اللہ بقا ہی ہو سکتے ہیں۔

۱۰۔ فدوی لاہوری

فدوی لاہوری کے بارے میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے تذکرہ ”گلشن بے خار“ میں لکھا ہے کہ:
”مکند بقال“ لاہور کا رہنے والا ایک لڑکا تھا جو مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا اس شہر میں آکر سودا سے نوک جھونک ہو گئی،
اس کی بہت ریک بھجی لکھیں جو مشہور ہیں۔ شاہ صابر علی صابر کے شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سادہ
رخوں کی محبت کا نقش اس کے دل نشیں تھا اور اس سلسلے میں کئی جھگڑے بھی ہوئے اور زخم بھی کھائے۔ بالآخر نواب
ضابطہ خاں کے دربار میں ملازم ہو گیا اور بعد میں مر گیا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے اس کو مغل لکھا ہے اور اس کا نام
فدائی بیگ بتایا ہے۔“ ۹۵

محمد حسین آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں:

”پنجاب وطن تھا، علم کم مگر طبیعت مناسب تھی۔ احمد شاہ کی تعریف میں قصیدہ کہا تو بادشاہ نے ہزار روپیہ، شتر، گھوڑا

اور تلوار انعام میں دی۔“ ۹۶

فدوی، ”نواب احمد خاں کے عہد میں فرخ آباد بھی آئے۔ مرزا رفیع سودا سے ہجو نگاری اور ہم طرح غزلوں کا مقابلہ بھی
ہوا۔ ۹۷ جوانی میں ایران کا سفر کیا اور چار برس خراساں و اصفہان میں رہے، مذہباً شیعہ تھے۔ سودا نے طنزاً ان کے دوسرے ملک جانے
کا تذکرہ کیا ہے:

۔ شاعروں میں ہند کے میں گیا ایران تک سیکھی زباں واں کی بھی جا کے خراسان تک
نواب محمد یار خاں امیر کے جلو میں جو شاعر جمع تھے ان میں فدوی لاہوری بھی ٹانڈہ میں رہے۔ فرخ آباد میں ایک عطار کی
دوکان کے قریب مکان لیا تھا یہیں پر سودا سے ہجو نگاری کا مظاہرہ ہوا۔ ۹۸ اس کے لیے سودا نے جو ہجویں تحریر کیں وہ کلیات سودا
میں موجود ہیں البتہ سودا کے بارے میں فدوی کی ہجویں نسیا منسیا ہو گئیں۔ ۹۹ فدوی لاہوری، سودا کے مقابلے کے لیے فرخ آباد آئے
اس کی تائید خود سودا کے اشعار سے بھی ہوتی ہے۔ ۱۰۰

۔ اے بیابان نحسیت کے غول بستیاں اب نہ کر تو ڈانوا ڈول
۔ فرخ آباد کے محلوں میں حد سے باہر تو کر چکا ہے کلول
۔ جلد یاں سے نکل وگرنہ ترا بھرم اس طرح سے میں دوں گا کھول

فتح علی شیدا، میرسوز کا مہتمی تھا اور سودا کا شاگرد۔ جب فدوی لاہوری نے احمد نگر عرف (فرخ آباد) میں سودا سے شاعرانہ مجادلہ کیا تو شیدانے اپنے استاد کی حمایت میں اس کی جھوکی۔ میر حسن اور شوق کے بیانات کے سوا خود مثنوی کے اشعار اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔

وارد احمد نگر میں ایک ہیں مرد عزیز فہم میں سر تا قدم اور سراپا با تمیز
شعر پر ہر ایک کے کرتے جو ہیں وہ اعتراض جامی کے دیوان سے خوب اپنی جانیں ہیں بیاض
حضرت سودا تلک جو میرے استاد ہیں شعر پران کے بھی اب تو یہ کریں ایراد ہیں
فدوی لاہوری فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مشاعرے میں کبھی بیٹھ کر ورنہ کھڑے کھڑے ہی غزل پڑھ دیتے تھے۔ کچھ دنوں نواب ضابطہ خاں کی سرکار میں ملازم رہے اور نواب ہی کی فرمائش پر ”یوسف زلیخا“ کو اردو میں منظوم کیا۔ میر حسن اپنے تذکرے میں فدوی لاہوری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”مردے بر خود غلط برائے مباحثہ و مجادلہ بہ فرخ آباد پیش مرزار فیع سلمہ اللہ آمدہ ہنگامہ برپا نمود بعد از ذلت بسیار بہ وطن خود برگشت۔“ ۱۰۱

مصحفی ان کی امرد پرستی اور حسن پرست طبیعت سے متعلق فرماتے ہیں:

”الحاصل چوں ازاں طرز آوردہ شدہ بر ملک ہندوستان رسید عوائے شاعری درد ماغش جا داشت و زیادہ از مرتبہ شاعری قدم در راہ امرد پرستی می گذاشت چند جا خانہ جنگی ہم کردہ بہ کو دکان حسین قیش ورزیدہ اکثر اعضائش دیدم کہ مجروح بودند۔“ ۱۰۲

جس زمانے میں مصحفی آنولہ میں تھے اس زمانے ہی میں فدوی لاہوری سے ان کی ملاقات ہوئی۔

”در ایامیہ کہ از شاہ جہاں آباد در کھتیر (کذا) آمد در آں روز با فقیر در آنولہ بود کہ شورش او بہ سمع رسیدہ آخر روزے برائے دیدلش رتم او باش چند گردا و نشستہ دیدم صحبت شعر بمیان آمد۔“ ۱۰۳

فدوی لاہوری کی رسائی نواب محمد یار خاں امیر کے دربار میں ہو گئی لیکن جلد ہی نواب موصوف کی سرکار سے برخاست کر دیے گئے۔ تذکرہ ہندی کے مطابق:

”بعد چند روزے شنیدم کہ بر سر کار نواب محمد یار خاں کہ ذکر ایثاں گذشت نوکر شد ہر گاہ بعد دو سہ ماہ میاں محمد قائم وغیرہ و فقیر ہم باریاب مجلس ایثاں شدن بہ سبب برہم زدگی مزاج نواب کہ بیاں آں موجب تطویل است برخاستہ رفت۔“ ۱۰۴

مصحفی کے مطابق پچاس برس کی عمر میں مراد آباد میں فوت ہوئے۔ ۱۰۵

منتخب اشعار اور نمونہ کلام:

ٹلتے ہیں کوئی ہاتھ چلے یا زباں چلے ہم داد خواہ ساتھ ہیں اس کے جہاں چلے
کیا ہمسری ہو تیر کی اس تیر آہ سے یہ یہ ہی تیر ہے کہ سدا بے کماں چلے

سر پر تو دھر کے نعش ہماری کو تا مزار
لائے تھے سر پہ دھر کے کس اخلاص سے ہمیں
یادوں نے اپنی راہ لی فدوی ہمیں رہے
بعد مرنے کے بھٹکتا ہوں تہہ خاک ہنوز
چشم پُر آب ہے اور تس پہ جگر جلتا ہے
آوارہ و سرگشتہ نہ دیوار نہ در کے
یہ سرو نہیں باغ میں ہے آہ کسی کی
فدوی لاہوری کے کلام میں غزل میں تکتے آفرینی کا نیا انداز پایا جاتا ہے: مثلاً:

چشم پُر آب ہے اور تس پہ جگر جلتا ہے
کیا قیامت ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے
صنعت حسن تعلیل ملاحظہ کیجیے:

یہ سرو نہیں باغ میں ہے آہ کسی کی
حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، صفحہ ۳۸۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

”فدوی نے سودا کے بعض اشعار پر اعتراض کیے تھے مثلاً ایک مقام پر سودا نے شیخ و برہمن دونوں کے لیے دین کا
لفظ استعمال کیا تھا، فدوی نے اعتراض کیا کہ دین شیخ کے لیے اور دھرم برہمن کے لیے مخصوص ہے۔ سودا نے

جواب میں آیہ کریمہ نقل کی لکم دینکم ولی الدین۔“ ۱۰۶

تم نے جہاں وا کیے بند قبا اپنے جان
کھول دیے ناز سے تم نے دو چشم اپنے جان
فدوی لاہوری کا مزید کلام دیکھیے: ۱۰۷

آنسو نہیں ہیں دیدہ تر میں بھرے ہوئے
ابرو ترے کی تیغ سے سورج ڈرے ہوئے
خالی کر ان کو دل کے نشانے پہ ایک بار
کہنے لگا کہ میری گلی کی طرف نہ آ
یہ سن کے میں نے عرض کی خدمت میں اس طرح
جرات کہاں کہ آسکوں قرآن کی قسم
فدوی ہمارے دیدہ گریاں کے فیض سے
موتی ہیں آب دار صدف میں دھرے ہوئے
پھرتا ہے اپنے منہ پر سپر کوں دھرے ہوئے
ترکش تری مژہ کے ہیں چاروں بھرے ہوئے
جا اے دوانے یا نے ادھر کوں پرے ہوئے
لیکن دودست بستہ ادب میں ڈرے ہوئے
لاتا ہے دل میرا مجھے آگے دھرے ہوئے
اشجار کوہ و دشت کے یکسر ہرے ہوئے

۱۱۔ غلام علی عشرت بریلوی

میر غلام علی نام، عشرت تخلص، والد کا نام میر معظم علی تھا۔ آپ کا تعلق سادات مشہد سے تھا۔

مرا نام ہے گا جو عشرت علی بصد دل خریدار نام علی
 ہے حسب و نسب میری سادات سب غرض مشہدی ہوں بحسب و نسب
 سکونت بریلی میں مدت سے ہے کہ آئے تھے اجداد فرخندہ پے
 جو تھا شوق اشعار میرے تئیں بہ عشرت ہوا میں تخلص گزریں

”پدماوت“ ملک محمد جاسی کی مشہور تصنیف ہے، جو بابر کی فتح ہندوستان سے سات سال پہلے ضبط تحریر میں آنا شروع ہوئی اور بہ عہد شیر شاہ مکمل ہوئی۔ جاسی کی زبان اودھی تھی۔ اس نے مثنوی کے طرز پر راجہ رتن سین اور رانی پدمنی کی داستان عشق نظم کی ... ہندی ادب کی تاریخ میں پدماوت جاسی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

میر ضیاء الدین عبرت شاہ جہاں آبادی شاگرد نواب محبت خاں محبت رام پور میں مقیم تھے۔ ضیاء الدین عبرت نے مصطفیٰ خاں کی فرمائش پر پدماوت بربان اردو لکھنا شروع کی ۱۷۸۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت قدرت اللہ شوق بھی رام پور میں موجود تھے لہذا انھوں نے ۱۷۹۷ء میں باقی حصہ کی تالیف کے لیے غلام علی عشرت کو آمادہ کیا عشرت نے ۱۷۹۶ء میں ڈیڑھ ماہ کی مدت میں پدماوت مکمل کر دی۔ عشرت کی اس تصانیف کے بارے میں مصحفی لکھتے ہیں کہ:

”جوان کثیر الکلام است دیوان ہا مثنوی ہائے متعددہ دارد۔“ ۱۰۸

عشرت کی کتابوں میں (۱) پدماوت (۲) ریاض الحسین (۳) سحر البیان (۴) دیوان غزلیات بہت مشہور ہیں۔ نواب محمد یار خاں امیر کی ”محفل سخن“ میں بروایت مصحفی ایک ہزل گو میاں عشرت بھی ملازم تھے۔ ان کا نام میر غلام علی تھا، بریلوی کے رہنے والے تھے، تذکرہ کالملاں رام پور کے مطابق:

”ابن میر معظم علی مشہدی، نواب نصر اللہ خاں بہادر کے زمانہء نیابت میں ۱۲۰۹ھ۔ بغایت ۱۲۲۵ھ ریاست کے ملازم ہوئے۔ بریلی میں محلہ گڑھیا میں مکان تھا۔ مرزا علی لطف کے شاگرد تھے۔ سنا ہے صاحب فضل و کمال تھے۔ مثنوی پدماوت ۱۰۹ھ جو میر ضیاء الدین عبرت سے ناتمام رہ گئی تھی اس کی آپ نے تکمیل کی اور چند بار چھپ گئی ہے۔ پدماوت کا اردو دیباچہ لکھا ہے۔ اس میں کہتے ہیں کہ ۱۲۱۱ھ میں رام پور آیا تھا۔ صاحبزادہ عثمان و احمد خاں خواہر زادہ اور داماد جناب سید محمد فیض اللہ خاں صاحب بہادر کے ہاں ملازم ہو گیا۔ چونکہ ان دونوں صاحبوں کو سخن سنجی کا شوق تھا میں بھی غزلیں کہا کرتا تھا۔ مولوی قدرت اللہ شوق کے ہاں ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ مشاعرے میں شریک ہوتا۔ ایک روز مولوی صاحب نے فرمایا کہ حکیم میر ضیاء الدین عبرت شاہ جہاں آبادی ملازم نجو خاں نے پدماوت کو زبان ریختہ میں لکھنا شروع کیا تھا۔ چہارم حصہ لکھنے پائے تھے کہ مر گئے۔ اب تم اس کو پورا کرو۔“ ۱۱۰

عبرت اللہ نے اس مثنوی کے بارہ سوا شعرا کہے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ عشرت نے ڈیڑھ سال میں ساڑھے تین ہزار اشعار کہہ کر اسے مکمل کیا۔ ۱۱۲ بقول شیفتہ، عشرت صاحب دیوان شاعر ہیں لیکن ان کا دیوان نظر سے نہیں گزرا۔ ۱۱۳ ان کے اشعار جو نظر سے گزرے کوئی خاص نہیں ہیں۔

نمونہ کلام:

میں لکھ چکا ہی نہیں حال دل ہنوز، اس کی ہنوز دفن ہوا بھی نہیں ترا بسمل کسی نے شام کے آنے کو کیا کہا عشرت غیروں سے ہنسا وہ جو میرے سامنے عشرت ہوائے شوق میں اڑتا ورق ابھی سے ہے کہ زلزلے میں زمیں کا طبق ابھی سے ہے کہ پھوٹی آپ کے منہ پر شفق ابھی سے ہے کچھ بس نہ چلا دیکھ کے آنسو نکل آئے۔

عشرت کو عبرت کے مقابلے میں زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی جیسا کہ کتاب کے آخر میں تحریر ہے۔

”روزمرہ قدیم میں کتاب لا جواب ہے، ہر شعر انتخاب ہے جس جگہ کا تہوں سے کچھ رہ گیا تھا صحیح کیا ترکیب و بندش قدیم میں تصرف مناسب نہ جانا اسے ویسے ہی رہنے دیا تاکہ اس زمانے کی زبان لوگوں کو معلوم رہے کوئی روزمرہ

جدید نہ کہے۔“ ۱۱۴

نواب محمد یار خاں امیر کی محفل سخن ۱۱۸۵ھ-۱۷۷۲ء تک آب و تاب سے جاری رہی لیکن پھر درہم برہم ہو گئی، اس صورت حال کو مصحفی نے اس طرح بیان کرتے ہیں:

اے مصحفی میں روؤں کیا پچھلی صحبتوں کو بن بن کے کھیل ایسے اکثر بگڑ چکے ہیں یہ ذکر ان شعراء کا تھا جو خاص طور پر نواب امیر کی سرکار میں ملازم تھے لیکن روہیل کھنڈ میں اس مخصوص طبقے کے علاوہ بھی آنولہ بریلی اور اس کے گرد و نواح میں چند دیگر شعراء بھی جمع ہو گئے تھے اور یہ اپنے اپنے طور پر اپنی شاعری کو سخن ورجلا دے رہے تھے۔ روہیل کھنڈ میں اس دور کے چند اور شعراء کا مختصر احوال پیش کیا جاتا ہے جس سے اس علاقے کے ادبی ذوق کا پتا چلتا ہے۔

۱۲۔ عشقی مراد آبادی:

عشقی تخلص کرتے تھے۔ مصحفی نے انھیں آنولہ میں دیکھا تھا اور انھیں وہ ایک شاعر کی حیثیت سے جانتے تھے۔ مصحفی تذکرہ ہندی میں لکھتے ہیں کہ:

”فقیر اورادرا آنولہ دیدہ بود شعرے از ویہ خاطر است۔“ ۱۱۵

کوئی تو ہے گل چہرہ کوئی سرو رواں ہے دیکھا تو یہاں ایک سے ایک آفت جاں ہے نواب مصطفیٰ خاں شیفہ کو بھی عشقی کے متعلق اور کچھ معلومات نہیں۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

”بجز اس کے کہ مراد آباد کے رہنے والے تھے ان کا مزید حال معلوم نہ ہو سکا۔“

نمونہ کلام یہ ہے۔ ۱۱۶

کوئی تو ہے گل چہرہ کوئی سرو رواں ہے دیکھا تو یہاں ایک نہ ایک آفت جاں ہے

۱۳۔ عظیم

تخلص اور حال معلوم نہیں نمونہ کلام یہ ہے۔ ۱۱۷

کارواں اشک کا ہوتا ہے رواں آنکھوں سے تم کو بھی آہ و فغاں ہم یہ خبر کرتے ہیں کوئی تم میں سے اگر چلتا ہے آجائے شتاب ورنہ اب یار کوئی دم میں سفر کرتے ہیں

کچھ نگہ میں نہیں آتا ہے بجز جلوۂ یار جب کہ ہم دل میں عظیم اپنے نظر کرتے ہیں
جوانے بود سپاہی پیشہ یک غزل خود در آنولہ پیش فقیر خواندہ بود سہ شعر از او انتخاب افتاد اینست۔“ ۱۱۸

۱۴۔ مولوی قدرت اللہ قدرت

مولوی قدرت اللہ قدرت کی ولادت موضع ”موی“ میں ہوئی۔ سکونت ایک طویل عرصے تک رام پور میں رہی قیام مختلف
وقتوں میں آنولہ، پبلی بھیت، بدایوں، بسولی وغیرہ میں بھی رہا۔ ۱۱۹ قدرت، قیام الدین قائم چاند پوری کے شاگرد تھے۔
تذکرہ ہندی میں مصحفی نے لکھا ہے:

”مولوی قدرت اللہ قدرت مؤلف تذکرہ ہندی گویاں کہ بالفعل در رامپور استقامت دارد روزے دیدہ بود

ازوست۔“ ۱۲۰

نمونہ کلام:

لاکھوں چلائے مردہ صد سالہ آن میں فیض دم مسیح ہے اس کی زبان میں
انصاف بھی ضرور ہے یہ ظلم تا کجا کتنوں کے گھر اجڑ گئے اس امتحان میں
نگلی تھی رات دل سے مرے بے دریغ آہ ہنگامہ ایک پڑ گیا ہفت آسمان میں

۱۵۔ مراد علی حیرت مراد آبادی

مراد علی نام، حیرت تخلص کرتے تھے فن شعر میں انھیں خاص شہرت ملی۔ میر حسن کے مطابق طبع رسا رکھتے تھے۔ ان کا قیام
آنولہ میں رہا۔ مصحفی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”فقیر اور ادراوان آبادی کھیر روزے در آنولہ دیدہ بود۔ شعر را بہ پاکیزگی می گفت۔ در ہماں ایام شنیدم کہ بطرف
کوہ برائے کارے حسب ایمائے ریے رفتہ بود کہ آفتاب زندگیش در ہماں کوہ بغروب نہادہ۔“ ۱۲۱

نمونہ کلام:

سمجھ کے دیکھا تو بے جا ہے سب گلہ دل کا کہ چشم تر نے ڈبویا ہے معاملہ دل کا
یہ اشک و آہ ہے شور جنوں ہے وحشت ہے عجب جلوس سے جاتا ہے قافلہ دل کا
کہاں ہے شیشہء مے محتسب خدا سے ڈر مری بغل میں چھلکتا ہے قافلہ دل کا
یہ قافلہ یاروں کے آگے کہیں ٹھہرے ہیں آواز جرس کم ہے یا کچھ ہمیں بہرے ہیں۔

۱۶۔ رنگین

ہندو شعراء میں دیوان مان رائے کے فرزند بلاس رائے رنگین ایک معروف شاعر گزرے ہیں۔ میر حسن ان کے متعلق لکھتے ہیں:

”لالہ بلاس رائے التخلص بہ رنگین خلف راجہ مان رائے دیوان مدارالمہام پر محمد علی روہیلہ است طبع

موزونے دارد، ہر جا کہ باشد سلامت باشد ازوست۔“ ۱۲۲

اس مصیبت سے جو تو گھر سے نکالے ہے مجھے یہ تو بتلا میں بھلا جاؤں کدھر آخر شب
۱۷۔ میر عوض علی مدعا شاہ جہاں آبادی

نواب محبت خاں کے بڑے بھائی نواب عنایت خاں کی سرکار میں ملازم تھے۔ اور کچھ عرصے ان کے ساتھ ہی بریلی میں رہے۔ محبت خاں کی شادی پر مشہور قصیدہ لکھا۔ میر حسن نے اس قصیدے کے بارے میں لکھا ہے: ”الحق خوب گفتہ است“
نواب محبت خاں کے بارے میں جو قصیدے لکھے گئے۔ ان میں میر عوض علی مدعا کا قصیدہ بھی شامل ہے۔ اس کا مطلع ہے:
پھر ہے بادل شدگاں درپے آزار فلک متصل چھڑ کے ہے ناسور پہ چھاتی کے نمک

۱۸۔ نواب عبدالعزیز خاں عزیز ۱۸۳۵ء/۱۸۹۱ء

نواب محبت خاں کے نواسے تھے۔

ابرو میں خم، کمر میں پلک، زلف میں شکن وہ کون سی جگہ ہے جہاں بانک پن نہیں
نواب اللہ یار خاں ۱۲۳ تا ۱۷۵۱ء۔ تا ۱۸۳۲ء ایک ادب پرور رئیس تھے۔ ان کی ایک پشتو لغت مسمیٰ بہ عجائب اللغات رضا لائبریری راپور اور انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔ ۱۲۴ نواب مستجاب خاں ۱۲۵ تا ۱۷۵۸ء۔ تا ۱۸۳۲ء عربی فارسی اور پشتو زبان کے ماہر اپنے زمانے کے بہت برے ادیب تھے آپ نے اپنے والد حافظ رحمت خاں اور خاندان کے حالات میں ایک کتاب گلستان رحمت ۱۲۶ لکھی ہے۔ فارسی زبان میں یہ کتاب بہ اعتبار صحت و واقعات، زبان و انشا پر دازی کا بہترین نمونہ ہے۔ ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ جنگ سکرتال کے بعد نواب محمد یار خاں امیر کی محفل سخن درہم برہم ہو گئی تھی، نواب شجاع الدولہ اور انگریزوں کی مشترکہ فوجوں سے حافظ رحمت خاں کی فوج کا مقابلہ ۲۲، اپریل ۱۷۷۴ء کو کڑاں میراں پور کے مقام پر ہوا حافظ رحمت خاں شہید کر دیئے گئے اس کے ساتھ ہی روہیلہ سرداروں کی ادب نوازی کا سنہری دور اختتام پذیر ہوا۔

نواب محبت خاں اپنے والد کی شہادت کے بعد اپنے اہل خاندان کے ساتھ قید کر لیے گئے دو سال قید کے بعد انھیں انگریز وظیفہ خوار کی حیثیت سے لکھنؤ منتقل ہونا پڑا اور جو شعاع ادب بریلی اور روہیل کھنڈ کے دوسرے علاقوں میں روشن تھی وہ لکھنؤ میں مٹو رہ گئی۔
نواب محمد یار خاں امیر ۱۲۷ قیام الدین قائم رام پور چلے گئے۔ اور رام پور میں انتقال کیا۔ مصحفی لکھنؤ پہنچے، قدرت اللہ قدرت بھی رام پور میں قیام پذیر ہوئے۔ دیگر بہت سے شعرا بھی جنگ روہیلہ کے بعد نواب فیض اللہ خاں نواب رام پور کے زیر سرپرستی چلے گئے۔ اس علاقے میں بریلی سے آنے والے شعرا کو بھی ہاتھ لیا گیا۔ بریلی میں میر غلام علی عشرت (شاگرد لطف) ایک غزل گو، مثنوی نگار، داستان نویس، صاحب علم فن شاعر تھے۔ ان کی سرپرستی نواب فیض اللہ خاں کے داماد نواب محمد عثمان خاں نے کی۔ ۱۲۸

ہم نے روہیل کھنڈ میں اردو شاعری کے اس دور کے شعرا کے بارے میں تحریر کیا جو ۱۷۷۴ء سے قبل اس علاقے میں بساط علم و ادب بچھائے ہوئے تھے۔ حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد شعر و سخن کی جو بنیاد پڑی وہ دربارداری سے مستغنی تھی، ان کے صاحبزادوں میں سے جو بریلی میں رہے وہ بھی صاحب علم و فن تھے ان میں نواب اللہ یار خاں، نواب مستجاب خاں بہت مشہور ہوئے۔ حافظ رحمت خاں کے پوتوں میں نواب سعادت یار خاں ۱۲۹، عبدالعزیز خاں عزیز، نیاز احمد خاں ہوش، نواب ظفر یاب خاں راج، نواب حیدر حسین خاں حیدر اور نواب بہادر خاں معروف ۱۳۰ معروف شاعر گذرے ہیں۔

نواب محبت خاں محبت سے خاندان حافظ رحمت خاں کی شاعری کا ایک سنہری باب منسلک ہے لیکن چون کہ یہ ۱۷۷۷ء کے بعد لکھنؤ چلے گئے، نواب شجاع الدولہ اور پھر نواب آصف الدولہ، نواب سعادت علی خاں کے دربار سے منسلک رہے۔

نواب محبت خاں محبت نے لکھنؤ میں رہ کر علم و ادب کی جو شمع فروزاں کی اس کی تابانی میں اضافہ کرنے کے لیے ان کے صاحبزادوں، پوتوں اور پرپوتوں نے قابل قدر حصہ لیا۔ بیٹوں میں محمد منصور خاں مہر ۱۳۱۱ء، محمد مقیم خاں مقیم، شاہ عالم خاں عالم ۱۳۲۲ء پوتوں میں محمد حسین خاں ضیاء، احمد حسین خاں جوش، محمد سلیمان خاں اسد ۱۳۳۳ء اور پرپوتوں میں عابد علی خاں خورشید، محمد علی خاں قمر اچھے شاعر و ادیب گزرے ہیں۔

نواب محبت خاں اپنے والد نواب حافظ رحمت خاں کی شہادت ۱۷۷۷ء کے بعد لکھنؤ میں انگریز وظیفہ خوار کی حیثیت سے رہنے لگے تھے۔ انھیں یہ وظیفہ نواب وزیر اودھ کے توسط سے ملتا تھا۔ نواب موصوف کی تمام شعری و نثری تخلیقات قیام لکھنؤ ہی کے دوران منظر عام پر آئیں۔ اس دور میں لکھنؤ کا سیاسی، معاشرتی اور ادبی ماحول کس طرح کا تھا جو محبت خاں کی ادبی تخلیقات پر بھی اثر انداز ہوا ہوگا؟ یہ جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کیوں کہ اس کے پس منظر میں وہ محرکات بھی کارفرما رہے ہونگے جنہوں نے ایک جانب تو دبستان روہیل کھنڈ سے انھیں یکسر جدا نہیں ہونے دیا اور لکھنؤ میں رہتے ہوئے بھی اپنا منفرد رنگ قائم رکھا البتہ بعض تصنیفات سے یہ بھی ثابت کیا کہ محبت خاں لکھنؤ دبستان شاعری کی نمائندگی کر سکتے ہیں:

نواب شجاع الدولہ ۱۱۶۷ھ بمطابق ۱۷۵۲ء میں مسند نشین ہوئے اس وقت تخت دہلی پر محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ براجمان تھے ۱۳۲۲ء یہ پورے پچھ سال بھی حکومت نہ کر پائے کہ اہل دربار کی سازش کا شکار ہوئے۔ بعض امرانے انھیں اندھا کر دیا اور شاہزادہ معظم کے ایک پوتے کو عالمگیر ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھا دیا لیکن ان کی حیثیت ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی دہلی میں طوائف الملوکی کا عالم تھا، جس کی خرافا فغانستان پہنچی تو نادر شاہ کے جانشین احمد شاہ ابدالی نے پھر ہندوستان پر لشکر کشی کی۔ دہلی میں ایسے غیر یقینی حالات پیدا ہوئے کہ بڑے بڑے مستقل مزاج افراد کے قدم ڈمگمانے لگے۔ جو لوگ اب تک دہلی سے نکلنے کا نام تک نہ لیتے تھے اب وہ بھی دہلی سے نکلنے پر مجبور ہو گئے اور اودھ کا رخ کرنے لگے۔ اودھ کے علاقے میں ترک وطن کر کے آنے والوں میں دیگر اہل ہنر کے ساتھ ساتھ کچھ شاعر بھی تھے ان شعرا میں اشرف علی فغاں، خان آرزو، سید محمد میر سوز، مرزا رفیع سودا، خواجہ حسن حسن، شیخ علی ہمدانی مصحفی، انشاء اللہ خان انشاء، میر جعفر علی حسرت، بقا اللہ خاں بقا، مرزا حیدر علی حیران، قلندر بخش جرأت فاخر مکیں، میر ضاحک، ان کے صاحبزادے میر حسن دہلوی، میر قمر الدین منّت، میر شیر علی افسوس، میر ضیاء الدین ضیاء شامل ہیں۔ ۱۳۵۵ء

نواب شجاع الدولہ نے شعرا کی قدر دانی ضرور کی، لیکن وہ شعرا کی دلداری نہ کر سکے۔ کیوں کہ ان کے سیاسی حالات نامساعد رہے، وہ دور عاشقانہ شاعری کا تھا جس کے لیے سکون و اطمینان، مال و دولت عیش و عشرت کی فراوانی درکار تھی۔ شجاع الدولہ کا یہ دور ہندوستان کی تاریخ کا انتہائی پر آشوب دور تھا۔

حواشی:

۱۔ سید مصطفیٰ علی بریلوی، ’ہندوستان کے نگاش‘، انجمن احباب، فرخ آباد، ص ۵۷۔

- ۲ سید الطاف علی بریلوی، ”حیات حافظ رحمت خان“، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ص ۴۱۔
- ۳ نواب مستجاب خان، ”گلستان رحمت“، قلمی فارسی، ص ۱۳۔
- ۴ مفتی ولی اللہ خان فرخ آبادی، ”تاریخ عہد بنگش“، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی ۱۹۶۵ء، ص ۴۳۔
- ۵ ”کھنڈ“ سنسکرت میں کلڑے کو کہتے ہیں۔ جبکہ ”روہ“ خشکی اور پہاڑی علاقوں کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔
- ۶ ”تاریخ عہد بنگش“، ص ۴۱۔
- ۷ ”حیات حافظ رحمت خان“، ص ۴۱۔
- ۸ سید سالار مسعود غازی، بشیر زادہ سلطان محمود غزنوی نے صرف بدایوں پر ۱۰۲۸ء میں حملہ کیا تھا۔ (بحوالہ حیات حافظ رحمت خان“، ص ۴۱۔)
- ۹ ”حیات حافظ رحمت خان“، ص ۴۲۔
- ۱۰ ”ہندوستان کے بنگش“
- ۱۱ ڈبلیو فرینکلن ”تاریخ شاہ عالم“ ترجمہ ثناء الحق صدیقی، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی، ۷۷-۷۶-۱۹ء ص ۹۶ میں روہیلوں کی آمد ۶۰ سال قبل بتاتے ہیں جب کہ یہ کتاب ۱۷۴۹ء میں تحریر کی گئی۔ اس طرح عام خیال کے مطابق روہیلے ۱۷۳۴ء میں اس علاقے میں وارد ہوئے۔ حیات حافظ رحمت خان کے مطابق روہیلوں کی آمد بہلول اور شیر شاہ سوری کے زمانے میں پائی جاتی ہے۔
- ۱۲ ”حیات حافظ رحمت خان“، ص ۴۱۔
- ۱۳ آفتاب احمد خان ایم اے: ”آنولہ کی مختصر تاریخ“، بریلی الیکٹرک پریس، بریلی، ص ۲۔
- ۱۴ ایضاً، ص ۳۔
- ۱۵ اس لیے اس علاقے کی زمین کا شکار کے لیے نہایت موزوں ہے۔
- ۱۶ ڈبلیو فرینکلن کے مطابق نواب فیض اللہ خاں مرحوم کی جاگیر میں پانی کی فراہمی وافر تھی۔
- ۱۷ ”تاریخ شاہ عالم“، ص ۹۳-۹۴
- ۱۸ ”تاریخ شاہ عالم“، ص ۹۳-۹۵
- ۱۹ ”تاریخ شاہ عالم“، ص ۹۴-۹۵
- ۲۰ دہلی کے شاہی اندراجات کے مطابق کٹھیر کا مالیانہ پچاس لاکھ پونڈ تھا، ۹۴ء میں کٹھیر کی کل آمدنی ۳۶ لاکھ روپیہ یعنی ۴ لاکھ پونڈ تھی۔ فی زمانہ روہیل کھنڈ کسی علاحدہ ریاست کا نام نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی جدا گانہ حیثیت ہے، برٹش حکومت کے زیر سایہ ہندوستان میں جو سلطنت قائم تھی اس کا ایک صوبہ مالک متحدہ آگرہ اودھ (یوپی اتر پردیش) ہے جس کا ایک ڈویژن روہیل کھنڈ ہے بریلی اس ڈویژن کا صدر مقام ہے جہاں کمشنر رہتا ہے۔ کمشنر کی نگرانی میں بریلی، بدایوں، پبلی، بھیت، مراد آباد، شاہ جہاں پور، بجنور رام گرجہ اضلاع ہیں اسی محدود رقبہ پر اب روہیل کھنڈ کا اطلاق کیا جاتا ہے اس خطہ میں ۱۹۴۷ء تک مسلمانوں کے قدیم خاندان آباد تھے۔ یہ لوگ بڑی تعداد میں اب پاکستان منتقل ہو چکے ہیں، جوہر گئے ہیں وہ معاشی پریشانیوں کا شکار ہیں۔
- ۲۱ ڈاکٹر جمیل جالبی، ”تاریخ ادب اردو“، جلد اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۵ء، ص ۵۹۔

۲۲	”تاریخ ادب اردو“، ص ۵۹-۶۰۔
۲۳	لولوئے ازغیب سے اس کی تاریخ ۱۱۰۲ھ-۱۶۹۰ء نکلتی ہے۔
۲۴	مقدمہ ”لولوئے ازغیب“، از ثناء الحق صدیقی
۲۵	دن کا قافیہ فن درست نہیں
۲۶	بمعنی واقف، خبردار
۲۷	رلاوے
۲۸	یا۔ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔
۲۹	عربی اور ہندی کے ساتھ ترکیب اضافی
۳۰	بمعنی پری
۳۱	وزن کو متحرک باندھا ہے
۳۲	فلک کا ”دک“، متحرک باندھا ہے۔
۳۳	تفصیل کے لیے دیکھیے رسالہ موسوم بہ لولوئے ازغیب، مصنفہ شیولال، مرتبہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۸۳ء
۳۴	تاریخ عہد نگارش صفحہ ۱۱ (دیکھا)
۳۵	ف ۱۱۵۶ھ-۱۷۴۳ء
۳۶	ف ۱۱۳۹ھ
۳۷	۱۱۶۲ھ-۱۷۴۹ء
۳۸	ف ۱۱۸۸ھ-۱۷۷۷ء
۳۹	۱۱۸۳ھ-۱۷۷۰ء
۴۰	ادیب، لطیف حسین بریلوی، ڈاکٹر: روہیلوں کے دور میں اردو شاعری کا فروغ، معارف، اعظم گڑھ، نمبر ۴، جلد نمبر ۹۶۔
۴۱	باکولی
۴۲	ویسے سے ایسا دیکھو پر بھو کے ٹھٹھٹ پسندیدہ زسرتا پا صفاتش یگانہ درگروہ جاٹ ذآش آنولہ کا راجہ بھیو باکولی کو جاٹ
۴۳	ادیب لطیف حسین، ڈاکٹر: اردو شاعری کا فروغ، معارف نمبر ۲-جلد ۹۶
۴۴	نور الحسن ہاشمی ڈاکٹر: دلی کا دبستان شاعری، طبع دوم، اردو اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۶ء- ص ۲۱۔
۴۵	دوران گفتگو آپ نے فرمایا جیسا کہ ملک العام کے اس کلام سے ثابت ہوتا ہے: لوکان فیہا الھنیۃ اللہ لفسد تا (اگر خدائے واحد کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو ضرور فساد ہوتا۔)
۴۶	مستجاب خان نواب: گلستان رحمت (قلمی) فارسی، ص ۷۳۔

- ۴۷ تفصیل کے لیے دیکھیے (گلستانِ رحمت اور حیاتِ حافظ رحمت خاں)
- ۴۸ ”حیاتِ حافظ رحمت خان“، ص ۳۰۰۔
- ۴۹ ایضاً، ص ۳۰۱۔
- ۵۰ اس نظم کا نقش مضمون پٹھانوں اور مغلوں کی موروثی عداوت ہے۔
- ۵۱ ”حیاتِ حافظ رحمت خان“، ص ۳۰۳،
- ۵۲ ایضاً، ص ۳۰۲۔
- ۵۳ سید الطاف علی بریلوی، ”حیاتِ حافظ رحمت خان“، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ص ۳۰۳۔
- ۵۴ اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ حافظ صاحب کی وفات کے چھ سال بعد کا کتابت شدہ ہے۔ ۱۹۷۳ء میں پشتو اکیڈمی کی جانب سے شائع ہو چکی ہے۔
- ۵۵ اس کتاب کو خوبلی زئی نے شاہجہاں پور کے نواب بہادر خاں کی تحریک پر جمع کیا تھا۔ حافظ الملک کے عہد میں پیر معظم شاہ نے اس تاریخی مواد کو تالیف کی شکل دی اور حافظ رحمت خاں کی خدمت میں پیش کر کے توارخِ حافظ رحمت خانی کے نام سے موسوم کیا۔ یہ پشتو زبان میں خطی صورت میں انڈیا آفس (لندن) میں محفوظ تھی۔ پشتو اکیڈمی پشاور نے اس کی مانکر و فلم حاصل کی اور خان روشن خان (نواکلی) نے اصل کتاب کو اکیڈمی کی طرف سے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا اس کے بعد اردو ترجمہ مع حواشی ۱۹۷۶ء میں اور اشاعت سوم ۱۹۷۷ء میں ہوئی۔
- ۵۶ نواب عنایت خاں نواب محبت خاں کے بڑے بھائی تھے۔
- ۵۷ مرہٹہ سردار (جھکوا)
- ۵۸ مرہٹہ سردار بھاؤ کو جنگ پانی پت میں عنایت خاں نے نہایت بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے قتل کیا۔
- ۵۹ زشمیر عنایت خاں دراں جنگ ا جل گفتا سر بھاؤ تراشہ حاجی محمد سعید خان افغانستان سے دہلی تشریف لائے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے تفسیر وحدیث میں فارغ التحصیل ہوئے اور شاہ ولی اللہ کے انتقال کے بعد روہیل کھنڈ چلے آئے اور حافظ رحمت خاں نے آپ کو عنایت خاں کا استاد مقرر کیا۔
- ۶۰ یہ وہی عوض علی مدعا شاہجہاں آبادی ہیں جنہوں نے نواب محبت خاں محبت کی شادی پر ایک مشہور قصیدہ تحریر کیا تھا۔ جس کا مطلع ہے۔
- ۶۱ پھر ہے بادل شدگاں درپے آزار فلک متصل چھڑ کے ہے ناسور پہ چھاتی کے نمک
- سید حسن شاہ کے نانا حکیم میر محمد نواز ۱۱۸۴ھ میں نواب عنایت خاں پسر حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی سرکار میں ملازم تھے اور شہر بریلی ہی میں اقامت گزین تھے اور شہر بریلی کے حاکم نواب عنایت خاں تھے حکیم موصوف کے آباؤ اجداد ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۱۳ء خوشت سے سو کے کابل کے راستے روہیل کھنڈ میں وارد ہوئے تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ”چند شعرا بریلی“، ڈاکٹر لطیف حسین ادیب۔
- ۶۲ میر حسن دہلوی، ”تذکرہ شعرائے اردو“ (فارسی) طبع اول، مرتبہ حبیب الرحمن خاں شروانی، دہلی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۴۰ء، ص ۱۷۲۔
- ۶۳ قدرت اللہ شوق، ”طبقات الشعراء“، طبع اول، مرتبہ ثناء احمد فاروقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۴۵۔
- ۶۴ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، ”گلشن بے خار“، ترجمہ محمد احسان الحق فاروقی۔ طبع اول، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۱۷۱۔

- ۶۴ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ”اردو کی منظوم داستانیں“، میں حکیم قدرت اللہ کے حوالے سے، ص ۳۲۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔
- ۶۵ غلام ہمدانی مصحفی، ”تذکرہ ہندی“، مرتبہ مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، ۱۹۳۳ء، ص ۷۲۔
- ۶۶ جرأت خود بھی خواجہ حسن کے ارادت مند تھے، فیض آباد سے لے کر اٹاوا اور پھر لکھنؤ تک وہ خواجہ حسن کے ساتھ رہے ہیں اور انھوں نے خواجہ حسن اور بخشی طوائف کے معاملات محبت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے: (بحوالہ، ڈاکٹر فرمان فتح پوری: ”اردو کی منظوم داستانیں“، اشاعت اول، کراچی، انجمن ترقی اردو۔ ۱۹۷۱ء، ص ۳۲۷، ۳۳۹) (کلیات جرأت قلمی مرقومہ ۱۲۹۶ھ، نیشنل میوزیم کراچی)
- لطیف حسین ادیب نے معارف اعظم گڑھ نمبر ۲، جلد ۹۶ صفحہ ۱۴۱ پر خواجہ حسن کے اشعار کے بعد لکھا ہے مثنوی ”حسن بخشی“ میں ان کے عشق کا نظم کیا ہے۔ اس مقالے کا عنوان ”روہیلوں کے دور حکومت میں اردو شاعری کا فروغ“ ہے۔
- ۶۷ ”ٹائڈ“ رام پور کے قریب ایک قصبہ ہے۔
- ۶۸ حیات مصحفی: نگار پاکستان، جنوری ۲۹، ص ۱۴
- ۶۹ ایک ہی یار سے جی ناک میں آیا کبیر زیت معلوم اگر ایسے ہی دو چار لے
- ۷۰ ڈاکٹر ادیب لطیف حسین، ”روہیلوں کے دور حکومت میں اردو شاعری کا فروغ“، بریلی، معارف نمبر ۲، جلد ۹۶، ص ۱۴۱
- ۷۱ نواب امیر محمد یار خان ابتدا میں قیام الدین قائم کے شاگرد ہوئے اور انتہا میں مصحفی سے بھی شرف تلمذ ہوا
- ۷۲ مصحفی نے ٹائڈ کی پُر لطف صحبتوں کو بڑی حسرت و آرزو سے لکھنؤ میں یاد کیا ہے، لکھتے ہیں: واللہ کہ یاد آں صحبت گذشتہ داغ ناکامی بردل دردمندی گزارد۔ بحوالہ، خواشی ڈاکٹر محمد ایوب قادری: وقائع عبدالقادر خانی، علم و عمل۔ ص ۱۵۷۔
- ۷۳ ”تذکرہ ہندی“، ص ۱۳۔
- ۷۴ قائم اول شاہ ہدایت کے شاگرد ہوئے ان سے ایسی بگڑی کہ جو کہی۔ تعجب یہ ہے کہ شاہ موصوف باوجود یہ کہ حد سے زیادہ خاکساری طبیعت میں رکھتے تھے مگر انھوں نے بھی ایک قطعہ ان کے حق میں کہا۔ پھر خواجہ میر درد کے شاگرد ہوئے ان کے حق میں بھی کہہ سن کر الگ ہوئے پھر مرزا کی خدمت میں آئے اور ان سے پھرے۔ مرزا تو مرزا تھے، انھوں نے سیدھا کیا۔ (بحوالہ: حاشیہ آب حیات، ص ۱۵۶)
- ۷۵ نگار پاکستان، حیات مصحفی، جنوری، ۱۹۳۹ء، ص ۱۶
- ۷۶ یہ شعر میر کے اس شعر سے مستفاد ہے۔
- ۷۷ شکست و فتح نصیبوں سے ہے اے میر مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا
- ۷۸ رازیزدانی: رامپور کا ماحول شعر و سخن، نگار پاکستان، کراچی، اگست، ۱۹۵۸ء، ص ۴۰۔
- ۷۹ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، ”دلی کا دبستان شاعری“، طبع اول۔ کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۶۵ء، ص ۲۱۱۔
- ۸۰ رازیزدانی، ”رام پور کا ماحول شعر و سخن“، نگار پاکستان، کراچی، اگست، ۱۹۵۸ء، ص ۴۱۔
- ۸۱ حضرت درد کی خدمت میں جب آ قائم نے عرض کی یوں کہ اے استاد زماں سنتے ہو
- ۸۲ امر ہو وے تو ہدایت کو کروں میں سیدھا واں سے ارشاد ہوا یہ کہ میاں سنتے ہو
- ۸۳ راست ہوتے ہیں، کسو سے بھی کج طنیت تیر بنتی ہے کہیں شاخ کماں سنتے ہو

- ۱۰۔ قائم بہ فیض حضرت سودا ہے درد میں طرچی غزل سے میر کے آتا تھا بر کہیں
امیر محمد یار خاں نواب کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بھائی احمد یار خاں افسر نے اسی وظیفہ پر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔
مصحفی غلام ہمدانی، تذکرہ ہندی، ص ۱۷۹۔
- ۱۱۔
۱۲۔ مثنوی صبح خورشید جس کے پانچ اشعار سودا کے پاس تھے، مرتب نے سودا کے کلام کے ساتھ شائع کرائے حالانکہ یہ قائم کے اشعار تھے۔ مثنوی
”شدت سرما“ جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے۔ سردی اب کے برس ہے اتنی شدید صبح نکلے ہے کانپتا خورشید مثنوی طفل پتنگ باز، گیارہ اشعار پر
مشتمل حکایت ہے، سنا ہے کہ اک مرد اپنی طریق نہایت ہی واقع ہوا تھا خلیق حکایت ۲۸ شعر کی، ایک حکایت ۱۱۶ اشعار کی
ایک مثنوی ۳۵۹ اشعار کی بعنوان ”حکایت مرد درویش“، تحریر کی۔ گلشن بے خار میں اس طرح ہے :
- ۱۳۔ قسمت کو دیکھ ٹوٹی ہے جاکر کہاں کمند کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
قائم کے بارے میں آزادی یہ رائے ہے ”قیام الدین قائم ان کا شاگرد تھا، جس پر استاد کو فخر کرنا چاہیے، آزاد، محمد حسین: آب حیات، ص ۱۸۸۔
”گلشن بے خار“، ص ۳۷۴۔
- ۱۴۔ احمد علی خاں شوق، ”تذکرہ کاملان رام پور“، دہلی، ہمدرد پریس، ۱۹۲۹ء، ص ۳۲۸، ۳۲۷۔
۱۵۔ غلام ہمدانی مصحفی، ”تذکرہ ہندی“، مرتبہ مولوی عبدالحق، اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۳ء، ص ۱۹۷۔
۱۶۔ جہاں تک حکیم کبیر علی سنبھلی کی شاعرانہ حیثیت کا تعلق ہے تو یہ کہنا کافی ہے کہ اگر وہ استادہ شعرا کی صف میں ہوتے تو نواب محمد یار خاں امیر کے
استاد مقرر کرنے کی خاطر میر سوز اور سودا کو بلانے کی ضرورت پیش نہ آتی اور ان دونوں کی معذرت کے بعد قیام الدین قائم چاند پوری کو بسولی
سے نہیں بلایا جاتا۔
- ۱۷۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل، ”تحقیق“، شمارہ ۱۶، ”ایشیا نیک سوسائٹی کلکتہ کے اردو مخطوطات“، ۲۰۰۸ء، ص ۳۲۸۔
۱۸۔ سیّد حیدر بخش حیدری، ”تذکرہ حیدری“، (گلشن ہند) مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی ۱۹۶۸ء، انٹرنیشنل پریس کراچی، ص ۶۱۔
۱۹۔ خلیل علی، ابراہیم خاں: ”گلزار ابراہیم“ (مع گلشن ہندی لطف) مرتبہ، ڈاکٹر محی الدین زور، طبع اول، اورنگ آباد دکن، انجمن ترقی اردو،
۱۹۳۳ء، ص ۷۶۔
۲۰۔ مصحفی، ”تذکرہ ہندی“، ص ۴۵۔
۲۱۔ ایضاً، ص ۲۵۹۔
۲۲۔ ”اتر جھینڈی“، من مضاف آنولہ
۲۳۔ ”گلشن بے خار“، ص ۳۴۶۔
۲۴۔ محمد حسین آزاد، ”آب حیات“، ترتیب و تدوین ابراہیم عبدالسلام، جویریہ پرنٹنگ پریس ملتان، لاہور، مارچ ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۰۔
۲۵۔ ولی اللہ فرخ آبادی مفتی: عہد نگار کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ کا اردو ترجمہ، مرتبہ محمد ایوب قادری، کراچی، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس،
۱۹۶۵ء، ص ۴۰۸۔
۲۶۔ گلشن بے خار میں شیفتہ کا بیان ہے کہ ”اس شہر (دہلی) میں آکر سودا سے ٹوک جھونک ہو گئی۔

- ۹۹ ”عہد بنگلہ کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ“، ص ۴۰۹
- ۱۰۰ شیخ چاند، سودا (مقالہ تحقیق) کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، اشاعت ثانی ۱۹۶۲ء، ص ۱۱۴،
- ۱۰۱ میر حسن، ”تذکرہ شعرائے اردو“، محمد حبیب الرحمن شروانی، مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ، ۱۹۲۲ء، ص ۱۰۵۔
- ۱۰۲ ”تذکرہ ہندی“، ص ۱۶۶۔
- ۱۰۳ ایضاً، ص ۱۶۷۔
- ۱۰۴ مصحفی کا یہ بیان اشارہ کرتا ہے کہ فدوی ٹائڈہ میں بھی اپنی سابقہ حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ نواب امیران سے ناراض ہو گئے ہوں گے اور انھیں اپنی مصاحبی سے علاحدہ کر دیا ہوگا۔ تذکرہ ہندی۔ ص ۱۶۷
- ۱۰۵ اسپرگر نے لکھا ہے کہ بریلی میں قتل ہوئے، نسخ نے لکھا ہے کہ مراد آباد میں انتقال ہوا، بحوالہ: ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مرتب، تاریخ بنگلہ، مولفہ مفتی ولی اللہ، ۱۹۶۵ء آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی، ص ۴۰۹۔
- ۱۰۶ محمود شیرانی، حافظ: ”پنجاب میں اردو“، طبع سوم، ۱۹۶۳ء ص ۳۸۵۔
- ۱۰۷ تذکرہ حیدری (گلشن ہند) کے مطابق فدوی تخلص لاہور کے رہنے والے تھے یہ شعران سے منسوب ہے۔
- ۔ مژہ کی نوک سینے میں نگاہِ یار لے ڈوبی کہ جب سے بھال تو دے میں سری یکبار لے ڈوبی
(ان الفاظ میں مفہوم واضح نہیں ہوتا)
- نام فدوی نہیں بلکہ مکند لال تھا بعد میں حلقہ گوش اسلام ہو کر محمد حسن کے نام سے موسوم ہوئے۔
- تذکرہ ہندی کے مطابق: ”بعد از جنگ سکر تال ماجل طبعی در مراد آباد درگزشت۔ عمرش از پنجاہ متجاوز خواہد بود۔ حسب فرمائش نواب صابطہ خاں مثنوی (یوسف زلیخا) بہ زبان ہندی نظم می کرد۔“
- ۱۰۸ غلام ہدائی مصحفی، ”ریاض الصغی“، تذکرہ ہندی گویاں، مرتبہ مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، سن، ص ۲۲۸۔
- ۱۰۹ اس مثنوی کا تاریخی نام ”تصنیف دو شاعر“ ہے یہ ڈاکٹر گوہر نوشاہی کی ترتیب کے ساتھ مجلس ترقی اردو ادب لاہور کی طرف سے شائع ہو گئی ہے
- ۱۱۰ حافظ احمد علی خاں شوق، ”تذکرہ کاملانِ رام پور“، باراول، دہلی، ہمدرد پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۳۰۱
- ۱۱۱ نواب محبت خاں کے شاگرد تھے۔
- ۱۱۲ یہ مثنوی ۱۲۱۱ھ میں تمام ہوئی، ملک محمد جانی کی پدماوت بھاشا سے اردو میں کئی شعرا نے منتقل کی ان میں غلام علی دکنی، سید محمد فیاض ولی، سید محمد خاں عشرتی، ضیاء الدین عبرت، غلام علی عشرت اور محمد قاسم بیلوی شامل ہیں۔ عبرت عشرت نے اس مثنوی کو شمع و پروانہ کے نام سے منظوم کیا ہے۔
- ۱۱۳ ”گلشن بے خار“، ص ۳۲۳۔
- ۱۱۴ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: ”اردو کی منظوم داستانیں“، طبع اول کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۱ء، ص ۴۱۰۔
- ۱۱۵ ”تذکرہ ہندی“، ص ۱۵۲۔ (عشقی)
- ۱۱۶ ”گلشن بے خار“، ص ۳۲۰۔
- ۱۱۷ ”گلشن بے خار“، ص ۳۲۵۔ (عظیم)

- ۱۱۸ ”تذکرہ ہندی“، ص ۱۵۲
- ۱۱۹ تاریخ ”جام جہاں نما“ (قلمی نسخہ رام پور، ترجمہ و تلخیص از علی احمد شوق اور نیشنل کالج میگزین، جلد ۷۔ شمارہ ۱، نومبر ۱۹۳۰ء، ص ۶ تا ۷
- ۱۲۰ ”تذکرہ ہندی“، ص ۱۷۵۔
- ۱۲۱ ”تذکرہ ہندی“، ص ۷۹۔ (حیرت مراد آبادی) مراد علی نام۔
- ۱۲۲ میر حسن، ”تذکرہ شعرائے اردو“، مولانا محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، ۱۹۴۰ء، ص ۷۴۔ (رنگین کے بارے میں)
- ۱۲۳ نواب محبت خاں کے چھوٹے بھائی، حافظ محمد یار خاں کے حقیقی بھائی تھے۔ عالم و محقق شخص تھے۔
- ۱۲۴ الطاف علی بریلوی نے حیات حافظ رحمت خاں میں تحریر کیا ہے کہ اب یہ لغت دستیاب نہیں ہوتی۔ لیکن انڈیا آفس لائبریری کے کیٹلاگ کے مطابق یہ لغت انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔
- ۱۲۵ نواب مستجاب کی اولاد میں نواب محمد عبدالرزاق خاں صاحب تصنیف تھے، نعت میں ان کا دیوان موجود ہے۔
- ۱۲۶ ”حیات حافظ رحمت خان“، ص ۳۵۴۔
- ۱۲۷ نواب محمد یار خاں امیر بانی روہیل کھنڈ نواب علی محمد خاں کے صاحبزادے اور نواب فیض اللہ خاں والی رام پور کے چھوٹے بھائی تھے۔
- ۱۲۸ ڈاکٹر لطیف حسین ادیب، روہیلوں کے دور میں اردو شاعری کا فروغ، ”معارف“ نمبر ۴، جلد ۹۶، ص ۱۵۱
- ۱۲۹ حافظ محمد یار خاں کے صاحبزادے مولف ”گل رحمت“
- ۱۳۰ نواب بہادر خان شہید نواب محبت خاں کے بیٹے اور گورنر بریلی نواب ذوالفقار خان کے فرزند تھے۔ نثر شعر کے مصنف عبدالغفور نساخ کے مطابق آپ صاحب دیوان شاعر تھے۔ سید مصطفیٰ علی بریلوی نے نواب خاں بہادر شہید ”تصنیف ہیں۔ ان کی ایک غزل ”شیم سخن“ کے حوالے سے شائع کی ہے جس کا مطلع ہے:
- تا حشر اب خیال نہ کر میرا کرے گا دل تو اس کو مل گیا تو مرا کیا کرے گا دل
نخن شعرا کے مطابق: مہر تخلص نواب منصور خاں خلف نواب محبت خاں تخلص، باشندہ لکھنؤ شاگرد جرات صاحب دیوان گذرے۔
نہ خمار مئے اندوہ سے چھوٹے وہ آنکھ نشہ عشق ہووے جسے پھوٹے وہ آنکھ
مشکل ہے بہت آگ بجھانی میرے دل کی خورشید قیامت ہے نشانی میرے دل کی
افسانہ الفت کے سوا شغل نہیں اور دشمن ہے یہ شہنائے جوانی میرے دل کی
خوش معرکہ زیبا: میں یہ شعر ہے:
- خط نے مسدود کی باغ رخ دل زار کی راہ بند کائناتوں سے بھی کر دیتے ہیں گل زار کی راہ
- ۱۳۲ تذکرہ ریاض الفصحا کے مطابق: نواب محمد خاں کے دونوں بیٹے شاہ عالم خان عالم اور منصور خاں مہر بھی شاعر تھے۔ شاہ عالم خاں عالم فارسی میں شعر کہتے تھے اور اپنے والد سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ منصور خاں مہر اردو میں شعر کہتے تھے، جرات کے شاگرد تھے۔
- ۱۳۳ تاریخ افغانستان ”موسوم بہ نقش سلیمانی“ کے مولف، نواب محبت خاں کے صاحبزادے محمد موسیٰ خاں کے بیٹے تھے۔ نقش سلیمانی خاندان حافظ

رحمت خان کے بارے میں ایک مستند تاریخ ہے جو اردو میں تحریر کی گئی ہے۔ اس کا ایک نسخہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم (کراچی) کے کتب خانے میں موجود ہے۔

۱۳۴ احمد شاہ ۱۷۷۸ء تا ۱۷۵۴ء تخت دہلی پر متمکن رہے۔

۱۳۵ ان میں سے بعض شعر اشجاع الدولہ کے زمانے میں فیض آباد پہنچے اور بعض نواب آصف الدولہ کے دور میں لکھنؤ پہنچے۔

فہرست اسنادِ محلہ:

- ۱۔ آزاد، حسین، محمد: ۲۰۰۶ء، ”آبِ حیات“، ترتیب و تدوین: ابراہیم عبدالسلام، جویریہ پریس، ملتان۔
- ۲۔ اسد، خان، سلیمان: ۱۹۰۴ء، ”نبیرہ محبت“، نقش سلیمانی، مطبوعہ ٹونک۔
- ۳۔ بریلوی، علی، مصطفیٰ، سید بس، ”ہندوستان کے نگلش“، انجمن احباب فرخ آباد۔
- ۴۔ بریلی، علی، الطاف، سید: ۱۹۸۰ء، ”حیات حافظ رحمت خان“، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی۔
- ۵۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر: ۱۹۷۵ء، ”تاریخ اردو ادب“، جلد اول، مجلس ترقی ادب، لاہور۔
- ۶۔ چاند، شیخ: ۱۹۷۰ء، ”سودا“، (مقالہ تحقیق)، اشاعت ثانی، انجمن ترقی اردو پاکستان۔
- ۷۔ حسن، میر: ۱۹۲۳ء، ”تذکرہ شعرائے اردو“، محمد حبیب الرحمن شروانی، مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ۔
- ۸۔ حیدری، حیدر بخش، سید: ۱۹۶۸ء، ”تذکرہ حیدری“، (گلشن ہند) مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی، انٹرنیشنل پریس، کراچی۔
- ۹۔ خان، خلیل ابراہیم: ۱۹۳۳ء، ”گلزار ابراہیم“، (مع گلشن ہند علی لطف)، طبع اول، مرتبہ ڈاکٹر محی الدین زور، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن۔
- ۱۰۔ خان، احمد، آفتاب: سن، ”آنولہ کی مختصر تاریخ“، بریلی الیکٹرک پریس، بریلی۔
- ۱۱۔ شوق، خان، احمد علی: ۱۹۲۹ء، ”تذکرہ کالماتِ راہپور“، ہمدرد پریس، دہلی۔
- ۱۲۔ شیرانی، محمود، حافظ: ۱۹۲۸ء، ”پنجاب میں اردو“، طبع اول، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، کتاب نما، لاہور۔
- ۱۳۔ شیفتہ، خاں، نواب مصطفیٰ: ۱۹۶۲ء، ”گلشن بے خار“، طبع اول، ترجمہ احسان الحق فاروقی، پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی۔
- ۱۴۔ شیوالال: ۱۹۸۳ء، ”لولوئے ازغیب“، مرتبہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری، انجمن ترقی اردو، کراچی۔
- ۱۵۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر: ۱۹۷۱ء، ”اردو کی منظوم داستانیں“، طبع اول، انجمن ترقی اردو، کراچی۔
- ۱۶۔ فرخ آبادی، مفتی، خان، ولی اللہ: ۱۹۶۵ء، ”تاریخ عہد نگلش“، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی۔
- ۱۷۔ فرینکلن، ڈبلیو: ۱۹۷۶ء، ”تاریخ شاہ عالم“، ترجمہ شائع صدیقی، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی۔
- ۱۸۔ فضل گڑھی، معین الدین، مولوی: ۱۹۷۰ء، ”علم و عمل“ (وقائع عبدالقادر خانی)، جلد اول، مرتبہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی۔
- ۱۹۔ قدرت اللہ، شوق: ۱۹۷۴ء، ”طبقات الشعراء“، طبع اول، مرتبہ ثناء احمد فاروقی، مجلس ترقی ادب، لاہور۔
- ۲۰۔ مصحفی، ہمدانی، غلام: ۱۹۳۳ء، ”تذکرہ ہندی“، مرتبہ مولوی عبداللہ الحق، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن۔
- ۲۱۔ مصحفی، ہمدانی، غلام: ۱۹۳۴ء، ”ریاض الصفا“، تذکرہ ہندی گویاں، مرتبہ مولوی عبداللہ الحق، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن۔

۲۲۔ ہاشمی، نور الحسن: ۱۹۶۶ء، ”دلی کا دبستانِ شاعری“، طبع دوم، اردو اکیڈمی، کراچی۔

قلمی:

۲۳۔ خان، مستجاب، نواب: سن، ”گلستانِ رحمت“، قلمی فارسی۔

رسائل:

۲۴۔ حسین، ادیب لطیف، ڈاکٹر: سن، ”روہیلوں کے دور میں اردو شاعری کا فروغ“، معارف نمبر ۲-۴، جلد نمبر ۹۶۔

۲۶۔ عقیل، معین الدین، ڈاکٹر: ۲۰۰۸ء، ”ایشیا ٹک سوسائٹی کے اردو مخطوطات“، تحقیق شمارہ ۱۶، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

۲۵۔ یزدانی، راز: ۱۹۵۸ء، ”رام پورا کا ماحول شعر و سخن“، نگار، کراچی۔
